نور الحبیب ۲۰۰۴

جلد 9

ماہ صفر - درس مثنوی - الوہیت

اور

متفرقات

ماہ صفر المظفر

مولانا نور محمد قادری

اسلامی سال کے دوسرے مہینے کا نام صفر ہے، یہ صفر بالکسر سے ماخوذ ہے، جس کا معنی خالی ہے، چوں کہ یہ مہینا ماہ محرم کے بعد آتا ہے، محبوب خدا ﷺ کی بعثت سے قبل ماہ محرم میں جنگ حرام تھی، مگر جب صفر کا مہینا آتا تو عرب جنگ کے لیے چلے جاتے اور گھروں کو خالی چھوڑ جاتے تھے، اس لیے اس کو صفر کہتے ہیں۔ ماہ صفر المظفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے اور لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ منحوس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ (بدھ) لوگ بہت مناتے ہیں اور اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح کو جاتے ہیں، پوریاں پکاتے ہیں، نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سردار دو جہاں ﷺ نے اس روز صحت کا غسل فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں سید العرب والعجم ﷺ کا مرض

شدت کے ساتھ تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں، یہ سب بے اصل باتیں ہیں۔

ماہ صفر کی پہلی رات کے نفل

ماہ صفر کی پہلی رات میں نماز عشاء کے بعد ہر مسلمان کو چاہیے کہ چار رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْن﴾ پندرہ دفعہ پڑھے، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد﴾ پندرہ مرتبہ پڑھے، تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ فلق پندرہ مرتبہ پڑھے اور چوتھی رکعت میں سورۃ الناس پندرہ مرتبہ پڑھے، سلام کے بعد چند بار ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن﴾ پڑھے، پھر ستر (۷۰) مرتبہ درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا ثواب عطا کرے گا اور اسے ہر بلا سے محفوظ رکھے گا۔ [راحۃ القلوب]

آخری چہار شنبہ کی نماز

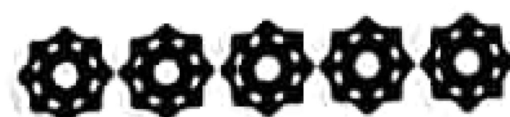
صفر کے آخری بدھ کو صبح کے بعد غسل کرے اور چاشت کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد گیارہ گیارہ دفعہ ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد﴾ پڑھے اور سلام پھیر کر مندرجہ ذیل درود شریف ستر مرتبہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحٰبِہٖ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ---

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَرِّفْ عَنِّیْ سُوْٓءَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَ اعْصِمْنِیْ مِنْ سُوْٓئِہٖ وَ نَجِّنِیْ عَمَّا اَصَابَ فِیْہِ مِنْ نُحُوْسَاتِہٖ وَ کُرُبَاتِہٖ بِفَضْلِکَ یَا دَافِعَ الشُّرُوْرِ وَ مَالِکَ النُّشُوْرِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الْاَمْجَادِ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ--- [راحۃ القلوب، جواہر غیبی]

اس کے علاوہ دو رکعت نفل اور بھی ہیں، جن کی ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد تین تین بار ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد﴾ پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ اور ﴿وَ التِّیْنِ﴾ اور ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہ﴾ اور سورۃ اخلاص، ان سب کو اسی اسی (۸۰) مرتبہ پڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے اس کے دل کو غنی کر دے گا۔ [جواہر غیبی]



''ماہ صفر اور توہمات''

کیا صفر کا مہینا منحوس ہوتا ہے؟

سیدہ یاسمین زیدی (امریکا)

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے مقدس کلام قرآن کریم میں مہینوں کی گنتی بارہ (۱۲) بیان فرمائی ہے، یہ ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۶ میں ہے۔ بارہ ماہ کے مجموعے کو برس یا سال کہتے ہیں اور یہ چاند کے حساب سے شمار ہوتے ہیں، اسی لیے اسے قمری تقویم (کیلنڈر) کہا جاتا ہے، چاند کے حوالے سے شمار کا بیان سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۹ میں ہے۔

اسلام میں یہ قمری تقویم ہی رائج ہے اور اس کے باقاعدہ رواج اور ترتیب و نفاذ کا سلسلہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے اہم واقعے سے اس تقویم کو شمار کیا، اس لیے اسے ہجری تقویم کہا جاتا ہے۔

اس تقویم میں مہینوں کے نام عربی میں ہیں اور ہر ایک مہینے کی وجہ تسمیہ (نام کی وجہ) الگ ہے، جو دینی عبادات و احکام کی ادائی، موسم یا اہل عرب کی روایات وغیرہ کے حوالے سے ہے۔

اس تقویم میں پہلا مہینا محرم ہے اور آخری یعنی بارھواں ذی الحج یا ذوالحجہ ہے۔ زیر نظر تحریر ماہ صفر کے بارے میں ہے، کیوں کہ اس ماہ کے نام اور ایام کے حوالے سے کچھ نامناسب اور غلط باتیں عوام میں پھیلا دی گئی ہیں اور عوام پوری طرح علم نہ ہونے کی وجہ سے چند غلط خیالات و توہمات کا

شکار ہو گئے ہیں۔اس لیے ضروری سمجھتی ہوں کہ حقائق لوگوں تک پہنچائے جائیں۔

صفر اسلامی تقویم میں ترتیب کے لحاظ سے دوسرا مہینا ہے، رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے ماہ محرم میں جنگ کرنا حرام تھا، جب صفر کا مہینا آتا تو اہل عرب جنگ کے لیے نکلتے اور گھروں کو خالی چھوڑ دیتے۔صفر کے ایک معنی ''خالی'' کے ہیں اور عرب والوں کا اس ماہ میں اپنے گھروں کو خالی چھوڑنا اس ماہ کے نام کی وجہ ہو گیا۔

صفر کے ایک معنی لغت میں یہ ہیں کہ صفر بالتحریك، پیٹ (شکم) کے اندر ایک بیماری ہوتی ہے، جس سے درد ہوتا ہے، اس بیماری میں کوئی کانٹا یا کیڑا ہوتا ہے، جو کاٹتا ہے، شاید اسی حوالے سے لوگوں نے صفر کو بیماری کا مہینا کہنا شروع کر دیا، جب کہ احادیث میں اس کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔

برصغیر میں اہل علم کے سرتاج شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ نے بارہ مہینوں کے بارے میں ایک عمدہ تحقیقی کتاب ''ما ثبت من السنة'' عربی میں تحریر فرمائی، جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔دیوبندی مکتب فکر کے مشہور عالم جناب اشرف علی تھانوی نے بھی افاضات یومیہ میں لکھا کہ حضرت شیخ محقق کو روزانہ نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، وہ صاحبِ حضوری عالم تھے، ماہ وایام کے موضوع پر اردو میں بھی کئی تحریریں طبع ہو چکی ہیں، ''فضائل الایام و الشھور'' کے نام سے اردو میں حضرت مولانا نور محمد قادری، صدر مدرس جامعہ امینیہ کی ضخیم کتاب شائع ہو چکی ہے، لیکن میں اپنی اس تحریر میں حضرت شیخ محقق کی کتاب ہی سے خلاصہ پیش کر رہی ہوں کیوں کہ ان پر اہل علم متفق ہیں اور ان کی علمی مرتبت اور ان کا اعتبار مسلمہ ہے۔وہ ماہ صفر کے بیان میں بحوالہ مسلم شریف پہلی حدیث نقل فرماتے ہیں، جس کے راوی (سُن یا دیکھ کر کہنے والے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

> ''عدویٰ (ایک کی بیماری کا دوسرے کو لگ جانا)، صفر (برا شگون لینا)، غول (دیوی، بھوت) نہیں ہے، یعنی یہ باتیں مسلم و مومن کو ماننی اور کرنی نہیں چاہیے''---

بخاری و مسلم کے حوالے سے ایک اور حدیث میں ہے، جس کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں:

> ''نہ بیماری کا کسی اور کو لگنا ہے اور نہ نحوست ہے اور نہ ہی الّو کی نحوست ہے''---

ایک اعرابی (دیہاتی) نے عرض کی، یارسول اللہ! پھر یہ کیا ہے کہ دوڑتا، جھپٹتا ہرن کا سا خارش زدہ اونٹ، دوسرے اونٹوں میں آ گھستا ہے تو سب کو خارش میں مبتلا کر دیتا ہے؟

رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

''پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ یعنی جس کو سب سے پہلے بیماری ہوئی اسے کس سے لگی؟''---

اس سے معلوم ہوا کہ صفر کے ایک معنی بدشگونی، بدفالی کے کیے گئے ہیں، مگر جو لوگ ماہ صفر کو بیماری یا نحوست وغیرہ کا مہینا سمجھتے ہیں، وہ غلط ہیں۔ واضح رہے کہ جہاں کہیں کوڑھ یا شدید مرض کے مریض سے اجتناب کی تعلیم ہے، وہ صرف اس لیے کہ دوسروں کو کراہت (ناپسندیدگی) اور تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ شیخ محقق نے مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''کوئی شے کسی دوسری شے کو بیماری نہیں لگاتی''---

ورنہ پہلی کو کس نے بیماری لگائی؟ (یعنی یہ اعتقاد نہ رکھے)، نہ بیماری لگنا ہے، یعنی نہ تعدی (وائرس، پھیلنے والی وبا) ہے، جو ایک سے دوسرے کو لگے اور نہ صفر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جان کو پیدا کیا، پھر اس کی عمر اور روزی اور اس کو پہنچنے والی آفتیں لکھ دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ کرمانی نے بخاری کی شرح میں اور علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ عرب کے لوگوں کے گمان میں صفر سے مراد یہ ہے کہ پیٹ کے اندر سانپ ہوتا ہے، جو انسان کو بھوک کی حالت میں کاٹتا ہے اور ستاتا ہے اور یہی مرض میں تجاوز کرتا ہے یعنی مرض بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ صفر وہ مہینا ہے کہ اس میں آفتیں، مصیبتیں اور فتنے بہت ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ صفر سے مراد پیٹ کے وہ کیڑے ہیں جو بھوک کے وقت پھدکتے ہیں اور بعض وقت مار ڈالتے ہیں یا صفر وہ کیڑا ہے جو جگر اور پسلیوں کی ہڈیوں کے سرے (کنارے) میں پیدا ہوتا ہے تو اس سے آدمی نہایت زرد ہو جاتا ہے اور بعض وقت اس کو مار ڈالتا ہے۔

پس اسلام نے ان باتوں کو باطل یعنی بالکل غلط قرار دیا ہے اور مومن و مسلم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ پر یقین رکھے اور ماہ صفر کو بیماری لگنے، بدشگونی یا نحوست وغیرہ کے حوالے سے نہ جانے اور یہی یقین رکھے کہ میرے لیے وہی ہے جو میرے رب نے لکھا ہے اور توبہ کرتا رہے۔

عدویٰ (تعدی) یعنی وبائی بیماریاں طبیبوں کے گمان میں سات (۷) ہیں، ان کا بیان علامہ تورپشتی نے مصابیح کی شرح میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ عدوی کا معنی علت (بیماری) اور عادت کا غیر (کسی اور) میں اثر کر دینا ہے۔ طبیبوں کے مطابق جذام (کوڑھ)، خارش (کھجلی)،

بے چک، سرخ بادہ (سرخ بخار)، دہن کی گندگی، آشوب چشم اور تمام وبائی امراض میں ایسا ہوتا ہے، لیکن اہل ایمان کو یہ اعتقاد نہیں کرنا چاہیے۔

ہامہ ایک پرندہ ہوتا ہے، اسے رات کا پرندہ یعنی الّو کہا جاتا ہے، لوگ اسے منحوس سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ روح جس کے دشمن سے انتقام نہ لیا جائے، وہ ہامہ ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس خیال وگمان کو بھی غلط قرار دیا۔

غول جس کی جمع غیلان ہے، لوگ کہتے تھے کہ انہیں ویرانے میں غول یعنی جنوں کی جنس سے جادوگر یا سایہ بھوت وغیرہ نظر آیا، جو شکلیں بدلتا ہے، راستے سے بہکاتا ہے اور ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اسلام نے اس کی بھی نفی کی، اسے بھی غلط قرار دیا۔ البتہ جنوں، جادوگروں اور روحوں کے واقعات اور ہیں، ان کی نفی نہیں کی گئی۔ حدیث شریف میں ہے:

"جب غول یعنی بھوت، سایہ یا آسیب وغیرہ کی صورت نظر آئے تو فوراً اذان کہی جائے"---

یعنی ان شریروں کی شرارت کو اللہ کریم کے نام سے دور کرو۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ غول پہلے ہوا کرتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ کی بعثت کی برکت سے وہ ختم ہو گئے۔

طیرہ (طی رہ) یعنی کسی شے کو منحوس سمجھنا، اس کے بارے میں بدشگونی کرنا، اس کی اصل کرمانی نے بخاری کی شرح میں یہ بیان کی ہے کہ لوگ ہرنوں کو چھوڑ دیتے تھے اور پرندوں کو اڑا دیتے تھے، پھر اگر وہ دائیں طرف کو جاتے تو اسے خوش گمان کرتے، مبارک سمجھتے اور اگر ہرن اور پرندے بائیں طرف جاتے تو اسے منحوس جانتے۔ یعنی کسی کام یا چیز کے لیے ہرنوں اور پرندوں کے ذریعے شگون لیتے اور برکت اور نحوست کو جانتے اور اس پر اعتقاد کرتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے کہ ایسا اعتقاد کرنا شرک ہے، البتہ فال لینا منع نہیں۔ نہایہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فال کو اس لیے محبوب رکھا ہے کہ لوگ کسی کمزور یا قوی ذریعے وسیلے سے کسی فائدہ کی امید اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں اور اس کام کے اچھے انجام کی توقع کرتے ہیں تو وہ لوگ بھلائی پر ہیں لیکن طیرہ کے معاملے میں تو لوگ اللہ سے بلا و آفت کی توقع اور اس کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں، اس لیے یہ درست نہیں۔ البتہ گھر، عورت اور گھوڑے کے معاملے میں طیرہ یعنی بدشگونی ہوسکتی ہے اور ابوداؤد میں ہے، عروہ بن عامر قرشی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طیرہ کا ذکر آ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس میں سے فال بہتر ہے اور مسلمان کو چاہیے کہ کوئی کان بند نہ کردے، جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو یہ کہہ لیا کرے کہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی اچھائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی کو دفع نہیں کرتا وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ اور فرمایا فال نیک کلمہ ہے''---[مسلم و بخاری]

اور فرمایا:

''نحوست سوائے تین چیزوں کے کسی میں نہیں ہے، گھوڑے اور عورت اور گھر میں''---[بخاری و مسلم]

اور ایک روایت میں خادم کا بھی ذکر ہے، یعنی کبھی ان میں برکت ہوتی ہے اور کبھی ان میں نحوست ہوتی ہے، سب کا حال یکساں نہیں۔ چنانچہ شیخ محقق نے وہ روایتیں بھی نقل فرمائی ہیں، جن میں رسول اکرم ﷺ نے بے برکت گھر چھوڑ دینے کو فرمایا، فرمایا:

''آدمی میں تین صفات ہوتی ہیں، طیرہ، گمان اور حسد۔ پس طیرہ سے تو آدمی کی اس بات میں رہائی ہے کہ اپنے کام سے باز نہ رہے اور بدگمانی سے اس میں رہائی ہے کہ خوامخواہ تحقیق کے درپے نہ ہو اور حسد سے اس میں رہائی ہے کہ ستم نہ کرے''---[بیہقی]

کچھ شارحین یہ فرماتے ہیں کہ عورت، گھوڑے اور گھر میں نحوست کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ اگر نحوست ہو سکتی تو ان تین میں ہوتی، یعنی نحوست اصلاً ان میں بھی نہیں، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نحوست مستقل طور پر ان میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ شیخ محقق لکھتے ہیں کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ بانجھ ہو یا سرکش ہو یا خاوند کی نظروں میں ناپسندیدہ ہو اور مزاج کی اچھی نہ ہو اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ بہت تنگ ہو، ہمسائے اچھے نہ ہوں اور ہوا اچھی نہ ہو اور وہاں اچھائی نہ ہوتی ہو اور گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ موافق نہ ہو، سرکش ہو اور مصلحت سے ناموافق ہو یا بہت مہنگا ہو، یعنی شرح السنة کے مطابق ان تینوں میں نحوست یہ ہے کہ یہ تینوں شرع یا طبع کے مخالف ہوں اور اس وجہ سے ناپسندیدہ ہوں، ورنہ مستقل نحوست یا بالذات نحوست ان میں بھی نہیں اور عدوی (تعدی) اللہ کی قضا سے ہو سکتی ہے، یعنی یہ خیال کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ بیماریاں اسی وقت موثر ہو سکتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو، ورنہ نہیں، یعنی امراض بالطبع متعدی نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماہ صفر کو بدشگونی کرتے ہوئے بیماری اور آفت کا مہینا نہ جانے، نہ ہی ایسا اعتقاد رکھے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے اور اپنے معاصی سے توبہ کرتا رہے اور

گھر کے بوڑھوں یا عورتوں کی غلط کہاوتوں کو حقائق پر ترجیح نہ دے۔

برصغیر میں ماہ صفر کو تیرہ تیزی کا مہینا بھی کہا جاتا ہے، ایسا کہنے والوں کا گمان یا خیال ہے کہ اس ماہ کے پہلے تیرہ (۱۳) دن بہت منحوس ہوتے ہیں، ان دنوں میں جادوگر، جنات اور بدروحیں کھلے عام آفات مچاتی ہیں اور کام بگاڑتی ہیں۔ ایک کہاوت یہ بھی ہے کہ ان دنوں میں کوئی بیماری ہوجائے تو وہ مریض مشکل سے بچتا ہے یا اس ماہ میں لگنے والی بیماری مہلک یا شدید ثابت ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ اس ماہ میں شادی بیاہ کرنا، کوئی کاروبار یا نیا کام کرنا یا سفر شروع کرنا راس نہیں آتا، یہ سب محض توہمات اور گھڑی ہوئی غلط باتیں ہیں، جنہیں کچھ لوگوں نے اعتقاد کا سا درجہ دے دیا ہے۔ تین تیرہ کا عدد بھی لوگ اچھا نہیں سمجھتے، حالاں کہ یہ محض اسلام دشمن پروپیگنڈا ہے کیوں کہ تین سو تیرہ اصحاب بدر کی تعداد ہے، جنہوں نے حق و باطل کے پہلے معرکے میں فتح پائی تھی، علاوہ ازیں کچھ یہی تعداد رسولوں کی بتائی جاتی ہے۔

اس طرح دیکھا جائے تو جانے کتنی غلط باتیں رائج ہوچکی ہیں، جیسا کہ زید، بکر، عمرو کے الفاظ اور نام فرضی طور پر لیے جاتے ہیں جب کہ اصحاب نبوی میں ایسے نام کثرت سے ہیں، یوں ہی لفظ ''اسرائیل'' عبرانی زبان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے اور ''ئیل/عیل'' اللہ تعالیٰ کے لیے عبرانی لفظ ہے، آج اس نام سے جو ملک موجود ہے، اسے صرف اسرائیل کہہ کے خوب بدزبانی ہوتی ہے۔

ضروری ہے کہ اہل علم اس بارے میں لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔ ماہ صفر کے بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ماہ کا آخری بدھ (چہار شنبہ) کچھ لوگ بہت مناتے ہیں کیوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ اس روز آپ نے غسل صحت فرمایا تھا اور گھر سے نکل کر سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، کچھ یہ کہتے ہیں کہ اس دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کرلی تھی، یہ بلا و آفت کا دن ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ ماہ صفر کا آخری عشرہ (دس دن) بلاؤں آفتوں کا ہے۔

حضرت خواجہ خواجگان، معین بے کساں، والی ہندوستاں، سیدنا معین الدین حسن چشتی سرکار غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''صفر کا مہینا بڑا بھاری اور سخت مہینا ہے، اللہ تعالیٰ ہر سال دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل فرماتا ہے، جس میں سے صرف ماہ صفر میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں، اس لیے اس ماہ کو دعا اور اطاعت میں بسر کرنا چاہیے''---

ایک قول یہ ہے کہ ماہ صفر میں تین لاکھ بتیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں اور آخری چہار شنبہ نہایت بھاری ہے، جو بھی شخص بلا میں گرفتار ہوتا ہے، اسی ماہ میں ہوتا ہے اور ایک حدیث بھی راحت القلوب میں نقل کی گئی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شخص مجھے ماہ صفر کے گزرنے کی خوش خبری دے گا، میں اسے بہشت میں جانے کی نوید دوں گا''---

راحت القلوب، حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، سلطان الزاہدین، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جسے سلطان المشائخ حضرت سیدنا نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا، اس میں ماہ صفر کی آفات سے بچنے کی دعائیں اور اعمال بھی درج ہیں۔

ایسی مقتدر اور مقدس ہستیوں کے حوالے کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں رہنے دیتے، کیوں کہ ان ہستیوں کی عظمت و مرتبت میں کسی کو کلام نہیں، لیکن واضح رہے کہ اس بات کی تحقیق و تصدیق ضروری ہے کہ ان ہستیوں سے منسوب جو بات کی جارہی ہے، وہ قرآن وحدیث سے بالکل متصادم نہ ہو اور ان بزرگوں سے ثابت ہو، یعنی ان بزرگوں ہی کی کہی ہوئی ہو اور صحیح ہو۔ کیوں کہ کہا گیا ہے کہ کچھ اقوال ایسے بھی ہیں جو ان ہستیوں سے منسوب کر دیے گئے ہیں، لیکن وہ تحقیقی طور پر ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کے طریق پر ان بزرگوں سے سنی ہوئی کچھ احادیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں مگر ان میں تاویل کی گنجائش ہو تو ان کا یکسر انکار بھی نہیں کیا جاتا۔

راحت القلوب میں درج اس حدیث کا مفہوم کچھ اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ظاہری و دنیاوی حیات میں صفر آخری مہینا تھا اور اس کا آخری بدھ نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات میں آخری تھا۔ چونکہ رسول پاک ﷺ کو اپنے معبود کریم کے لقاء کا شوق غالب تھا، اس لیے آپ نے اس ماہ کے تمام ہونے کی خبر کو خوش خبری فرمایا۔

راحت القلوب میں درج ماہ صفر کے بارے میں فرمودات کا مفہوم شاید کچھ یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور عبادت سے غافل ہیں، وہ اس ماہ میں توبہ ودعا کی کثرت کریں اور عبادت وطاعت میں بسر کرنے والے لوگ اس ماہ میں کسی طرح غفلت وسستی نہ کریں اور ہر مسلم ومومن یہی دعا کرے کہ اگر اس ماہ میں کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس بلا سے محفوظ رکھے۔

واضح رہے کہ ان مقدس اولیائے کرام نے ماہ صفر کو ہرگز منحوس یا برا نہیں کہا ہے، اس لیے ان بزرگوں کا کلام کسی حدیث شریف سے متصادم نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اس ماہ میں خوشی کی کوئی تقریب

نہیں کرتے، نہ ہی کوئی ایسی تقریب منعقد کرنا اچھا گردانتے ہیں، وہ اگر اس ماہ میں کوئی تقریب منعقد نہ کریں تو یہ ان کی صواب دید پر ہے، لیکن وہ اس ماہ کو منحوس یا برا خیال نہ کریں۔ البتہ کچھ لوگ اہل بیت رسول ﷺ سے محبت وعقیدت کا یہ بھی تقاضا سمجھتے ہیں کہ شہدائے کربلا کے چہلم تک کوئی خوشی کی تقریب نہ کی جائے، ان لوگوں کا ایسا کرنا یا سمجھنا شرعی طور پر نہیں، یہ محض ان کی اپنی عقیدت ومحبت ہے اور ایسی صورت میں انہیں کسی طعن وتشنیع وغیرہ کا ہدف نہیں بنایا جائے گا۔ تاہم ان لوگوں کو اہل بیت رسول ﷺ سے محبت وعقیدت کے ان تقاضوں کو بھی پورا کرنا چاہیے، جو بہت اہم ہیں۔

آخری چہار شنبہ کے دن چھٹی کرنا اور کام نہ کرنا، یہ غلط روایت ہے۔ البتہ اس دن صدقہ وخیرات کرنا اور عبادت ودعا کرنا چاہیے اور بزرگوں نے جو نوافل اور دعائیں وغیرہ تعلیم کی ہیں، وہ کرنا چاہمییں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تو کسی لمحے بھی روگردانی نہیں کرنا چاہیے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اپنے خالق و مالک اللہ کریم کو اسی صورت میں راضی کر سکتے ہیں جب کہ ہم اللہ کریم کی فرماں برداری کریں، اس کے ارشادات اور تعلیمات کی پابندی و پیروی کریں اور شریعت وسنت کے مقابلے میں اپنی نفسی خواہشات یا طبیعت کو ترجیح نہ دیں۔ ہمیں اللہ کے فرامین اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی ہی میں فوز وفلاح حاصل ہو سکتی ہے۔ عاشق رسول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ کن اور قطعی بات فرمائی ہے:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ



وفیات

● ......گزشتہ دنوں:

عالم اسلام کے ممتاز قاری سید صداقت علی شاہ، لاہور کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



کیا ماہ صفر نزولِ آفات کا مہینا ہے؟

علامہ محمد شہزاد مجددی

آج کل عام طور پر علوم شریعت سے ناواقفیت کی بنا پر لوگوں میں کچھ ایسی باتیں بطورِ دین اور عقیدہ رائج ہوگئی ہیں، جن کا شریعت اسلامیہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان بے سروپا واقعات اور قصہ کہانیوں کے فروغ میں زیادہ تر حصہ کم علم واعظین اور غیر مستند تحریری مواد کا ہے۔ ایسے ہی بے بنیاد مگر مشہور توہمات میں سے ایک یہ ہے کہ ماہِ صفر نزولِ آفات کا مہینہ ہے اور اس میں ایک خطرناک قباحت یہ ہے کہ بیان کرنے والے اسے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتے ہیں، جب کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من قال عنی ما لم اقل فلیتبوّأ مقعده من النار---[متفق علیہ]

''جس نے میری طرف سے وہ بات بیان کی، جو میں نے نہیں کی، اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا''---

یہ حدیث مبارکہ صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی تمام مشہور اور بڑی کتابوں میں تواتر سے روایت کی گئی ہے، جس کے راویوں میں چار خلفائے راشدین اور ان کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں شامل دوسرے چھ صحابہ کرام شامل ہیں۔

ماہِ صفر کے حوالے سے فرضی اور خودساختہ روایات کا بھی بہت چرچا ہے۔ صوفیانہ تذکروں، ملفوظات اور مواعظ پر مبنی کتب میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں، جن کی نشان دہی ائمہ محدثین نے بڑی جانچ پرکھ اور تحقیق کے بعد اپنی اپنی کتب میں کر دی ہے۔ چناں چہ امام حسن بن محمد الصّغانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

۱) وَ منها قولهم من بشّرنی بخروج صفرٍ بشّرته بدخول الجنّة---[موضوعات الصغانی، جلد ۱، صفحہ ۲۳]

''اوران روایات میں سے ایک قول یہ ہے کہ جو شخص مجھے ماہِ صفر کے گزر جانے کی خوش خبری سنائے گا، میں اسے جنت میں داخلے کی بشارت دیتا ہوں''---

۲) ملاّ علی بن سلطان القاری لکھتے ہیں:

من بشّرنی بخروج صفرٍ بشّرته بالجنّة............ لا اصل له---[الاسرار المرفوعه فی الاخبار الموضوعة،صفحہ۲۹]

''جس شخص مجھے ماہِ صفر کے گزر جانے کی بشارت دی میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں............اس کی کچھ اصل نہیں''---

۳) امام احمد بن اسماعیل العجلونی رقم طراز ہیں:

(من بشّرنی بخروج صفرٍ بشّرتیه بالجنّة) قال القاری فی الموضوعات تبعاً للصغانی لا اصل له---[رقم،۲۴۱۶،جلد۲،صفحہ۳۰۹]

''(جس شخص نے مجھے ماہِ صفر کے گزر جانے کی بشارت دی میں اسے جنت کی بشارت دوں گا) ملاعلی القاری نے موضوعاتِ کبیر میں امام الصغانی کی متابعت میں کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں''---

صفر کے مہینے کے حوالے سے پایا جانے والا نحوست کا تصور کافی پرانا ہے۔ اسی منظر میں بعض ایسی روایات بھی وضع کی گئیں جن میں سورج گرہن اور چاند گرہن کا ذکر ملتا ہے۔ چناں چہ امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

''احمد الجویباری کی روایت وھب بن وھب عن ابن اسحاق عن الزھری عن انس مرفوعاً کہ جب چاند گرہن محرم میں ہو تو وہ آفات، جنگ و جدل اور حاکم وقت کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور جب گرہن............ الخ، پھر اس نے مزید ہذیانات بکے ہیں۔ اس روایت میں دو راوی کذّاب ہیں''---

عام طور پر سادہ لوح عوام سنی سنائی باتوں کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ ماہ صفر آفات اور بلاؤں کے نزول کا مہینا ہے، حالانکہ اس وہم اور خیالِ باطل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ آیئے شریعتِ مطہرہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اصل حقیقت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا عدوٰی و لا صفر و لا هامه---

[صحیح بخاری، کتاب الطب، رقم:۵۳۱۶، ۵۳۶۸/ صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم:۴۱۱۶، ۴۱۱۷، ۴۱۱۸/سنن ابی داؤد/ مسند احمد]

''چھوت چھات کوئی چیز نہیں صفر (کی نحوست) کوئی چیز نہیں اور اُلو (کی نحوست) کوئی چیز نہیں''---

یہ روایت مشکوۃ شریف میں بحوالہ صحیح مسلم ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ جناب

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

''بیماری لگنے اور ھامہ کی نحوست اور ایک خاص ستارہ کے طلوع و غروب ہونے کے اثرات پر اور صفر کی نحوست پر اعتقاد رکھنا باطل ہے''---

[مظاہرِ حق، صفحہ ۴۲۹، جلد ۳، مشکوٰۃ مترجم]

یہ بات ہر مسلمان کے لیے بنیادی عقیدے کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خیر و شر یعنی تقدیر پر کامل ایمان رکھے۔ اسی عقیدے کی حفاظت کے پیشِ نظر قرآن و سنت میں مسلمانوں کو اس قسم کی خرافات اور توہمات سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک﴾---[النساء:۷۹]

''اور تمھیں کوئی برائی لاحق نہیں ہوتی مگر تمھاری اپنی ہی ذات کے سبب''---

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿و ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم﴾---[الشوریٰ:۳۰]

''اور جو مصیبت بھی تمھیں لاحق ہوتی ہے وہ تمھارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے''---

ان آیاتِ کریمہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ دنیا میں نازل ہونے والی آفات اور بلائیں انسانوں کے برے اعمال اور گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

حقیقت سے انحراف انسان کے اندر ایسی خفیہ طرز کی اعتقادی کمزوریاں اور توہمات پیدا کر دیتا ہے، جن سے فائدہ اٹھا کر شیطان اسے شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث شریف میں ہے کہ:

''جس شخص کو بدشگونی نے کسی کام کے کرنے سے روک دیا، یقیناً اس نے شرک کیا''---[مسند احمد]

صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا دورِ جاہلیت میں معروف تھا اور اہلِ عرب کہتے تھے کہ صفر نحوست والا مہینا ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی، جیسا کہ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں محمد بن راشد المکحولی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اہلِ جاہلیت ماہِ صفر کو منحوس خیال کرتے تھے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ صفر کو منحوس خیال کرنے کا تعلق اسی بدفالی یا بدشگونی کے تصور سے ہے جو شریعت میں ممنوع ہے۔ چناں چہ امام ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:

صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا بدشگونی کے قبیل سے ہے، جس سے کہ منع کیا گیا ہے اور ایسے ہی بعض دنوں کی نحوست کا تصور جیسے بدھ کا دن۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ یہ دن مستقل نحوست کا ہے، حالانکہ یہ روایت وضعی یعنی جعلی اور موضوع ہے۔

جب کہ اس کے برعکس مسند احمد میں حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر سوموار، منگل اور بدھ کے دن دعائیں فرمائیں تو آپ کی دعا بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان قبول کی گئی۔ ایسے ہی زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا خصوصاً شوال کے مہینے میں

نکاح کرنے کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔ [لطائف المعارف، صفحہ ۷۸، طبع بیروت]

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس غیر اسلامی رویے کو توکل کے منافی فرمایا ہے۔ ابنِ رجب مزید لکھتے ہیں کہ نحوست کو کسی خاص زمانے یا مہینے سے مخصوص سمجھنا، جیسے صفر کا مہینہ وغیرہ، درست نہیں ہے، کیوں کہ تمام زمانے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، جن میں انسان مختلف اعمال کرتا ہے، پس وہ تمام اوقات جن میں بندۂ مومن اللہ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے، وہ اس کے لیے بابرکت زمانہ یا وقت ہے اور وہ تمام اوقات جن میں بندہ اللہ کی نافرمانی میں مشغول ہوتا ہے، وہ اس کے لیے منحوس ہے، تو نحوست دراصل اللہ کی نافرمانی کا نام ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر نحوست کسی چیز میں پیدا ہونا ہو تو یہ چیز اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہوگی، یعنی اس کی زبان اور فرمایا: زبان سے بڑھ کر کوئی چیز شدت سے قید کرنے کے لائق نہیں"---

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

"غلاموں (ماتحتوں) سے نیک سلوک کرنا سعادت اور ان سے بدسلوکی کرنا نحوست ہے"--- [لطائف المعارف، صفحہ ۷۹]

مسند احمد میں حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بداخلاقی نحوست ہے"---

خلاصہ یہ کہ کوئی نحوست گناہ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر نہیں ہے، کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے اور جب وہ کسی بندے سے ناراض ہو جائے تو وہ دنیا و آخرت میں بدبخت قرار پاتا ہے۔ اگر وہی ذاتِ کریم بندے سے راضی ہو جائے تو وہ دنیا و آخرت کی سعادتیں سمیٹ لیتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی زمانہ جاہلیت کی طرح توہم پرستی عام ہے اور عامۃ الناس اسی کے غلبے میں صفر کے مہینے کے علاوہ منگل اور ہفتے کے دنوں کو منحوس خیال کرتے ہیں۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کے حوالے سے راہنمائی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان ہی (موضوع روایات) میں سے ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کی نماز بھی ہے، یہ دو رکعت نماز ہے، جو چاشت کے وقت ادا کی جاتی ہے، ان دو میں سے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل اللھم مالک الملک ....الخ دو آیتیں ایک بار پڑھی جاتی ہیں اور دوسری رکعت میں قل ادعوا اللّٰہ او ادعو الرّحمٰن ....الخ دو آیتیں پڑھی جاتی ہیں، پھر سلام پھیرنے کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور پھر کہے:

اللھم اصرف عنی شر ھذا الیوم و اعتصمنی من شومہ و اجعلہ علی رحمۃ و برکۃ و جنبنی عما اخلف فیہ من نحوساتہ و کرماتہ بفضلک یا دافع الشر و یا مالک النشور یا ارحم الراحمین ---[الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ،صفحہ ۱۱۱،طبع ادارہ احیاء السنۃ، گرجاکھ، گوجرانوالہ]

صاحب بہارِ شریعت حضرت مولانا امجد علی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''ماہِ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہِ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ منحوس مانی جاتی ہیں اور ان کو ''تیرہ تیزی'' کہتے ہیں، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

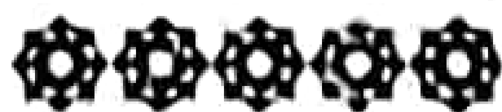
''صفر کوئی چیز نہیں'' ---(یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے)

اسی طرح ذیقعدہ کے مہینے کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو ''خالی کا مہینا'' کہتے ہیں، یہ بھی غلط ہے اور ہر ماہ میں تین، تیرہ، تیئیس، آٹھ، اٹھارہ اور اٹھائیس کو منحوس جانتے ہیں، یہ بھی لغویات ہیں۔

ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان (پاکستان) میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، سب بے ثبوت ہیں۔ بلکہ حدیث شریف کا یہ ارشاد:

لا صَفَرَ .... ''صفر کوئی چیز نہیں'' .... ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے'' ---[بہارِ شریعت، جلد دوم، حصہ ۱۶، صفحہ ۱۵۹]

پیشِ نظر مضمون کو معرضِ تحریر میں لائے جانے کا ایک بڑا سبب وہ مضمون بھی ہے جو اردو پوائنٹ (ویب سائٹ) کے اسلامی صفحہ پر (ماہِ صفر، نزولِ آفات کا مہینا) کے عنوان سے شائع ہوا۔ طوالت سے بچنے کے لیے اس مضمون کے آخر میں بیان کی گئی کچھ خود ساختہ عبادات اور نوافل کے بارے میں بحث نہیں کی گئی، البتہ محض خیر خواہی اور اصلاح کے جذبے سے یہ بتانا ضروری ہے کہ مذکورہ صدر نوافل اور عبادات میں سے کوئی عمل بھی نبی پاک ﷺ کی تعلیمات اور سنت سے ثابت نہیں ہے۔ و ما علیّ الا البلاغ



بدعت

مفتی محمد ابراہیم قادری

عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت قال رسول اللّٰه ﷺ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد---

[متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب و السنة]

''جس شخص نے دین اسلام میں کوئی نئی بات ایجاد کی، جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ مردود (نا قابل قبول) ہے''---

ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰه و خیر الهدی هدی محمد ﷺ و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة---

''بہترین کلام قرآن عظیم ہے اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین کام (دین کے خلاف) نئے کام میں بدعت، گمراہی ہے''---

ان دونوں حدیثوں کے ملنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بدعت ایک مذموم اور بدترین چیز ہے جو دین میں نا قابل قبول اور سراسر گمراہی ہے۔

بہت سے لوگ اس حدیث کی رو سے گیارہویں، بارہویں، ربیع الاول شریف میں جلوس، سوم، دسواں، چہلم، برسی، بزرگانِ دین کے اعراس اور دوسرے معمولات اہل سنت کو بدعت قرار دے کر حرام اور گم راہی کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ سوچ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے بدعت کی تعریف اور اس کی تقسیم جانی جائے پھر دیکھا جائے کہ شارحین حدیث نے ان حدیثوں کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

بدعت کا مفہوم

بدعت کا لفظی معنی ہے نیا کام اور شریعت مطہرہ میں بدعت اس نئے کام کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں نہ ہو۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال النووی البدعة کل شیء عمل علی غیر مثال سبق و فی الشرع احداث ما لم یکن علٰی عھد رسول اللہ ﷺ---

[مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد ا، صفحہ ۳۶۸، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور]

"بدعت ہر اس کام کو کہتے ہیں جسے سابق مثال کے بغیر کیا جائے اور شریعت میں ایسے کام کو ایجاد کرنے کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارکہ میں نہیں تھا"---

بدعت کی تعریف سے معلوم ہوا کہ جو کام سرکار ﷺ کی حیات طیبہ طاہرہ میں نہیں ہوا وہ بدعت ہے، چاہے وہ کام دورِ صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ایجاد ہوا ہو، چاہے وہ کام اچھا ہو یا برا، ہر حال میں بدعت ہے۔

بدعت کی تقسیم

بدعت کی ابتداءً دو قسمیں ہیں: (1)......بدعت حسنہ (2)......بدعت سیئہ

بدعت حسنہ اس نئے کام کو کہتے ہیں جو دین کے خلاف نہ ہو اور بدعت سیئہ اس نئے کام کو کہتے ہیں جو دین کے خلاف ہو۔ بدعت کی اس تقسیم پر حسب ذیل دلائل ہیں:

دلیل اول

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرھا و اجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیٔ و من سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرھا و وزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص

من اوزارهم شيئ---[مشکوۃ شریف بحوالہ مسلم، جلد۱، صفحہ۳۳]

''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لیے اس کا اور اس کے بعد میں عمل کرنے والوں کا اجر ہے بغیر اس کے کہ ان اجروں میں کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اس کا اور بعد میں عمل کرنے والوں کا گناہ ہے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے''---

معلوم ہوا کہ اسلام اچھی ایجادات کی حوصلہ افزائی اور بری ایجادات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور انہی اچھی ایجادات کو بدعت حسنہ اور بری ایجادات کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔

دلیل دوم

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ رمضان کی ایک رات کو مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، لوگوں کو دیکھا کہ وہ الگ الگ اپنے اپنے طور پر نماز تراویح پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دوں تو بہتر ہو۔ پھر آپ نے نماز تراویح کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، جب اگلی شب ملاحظہ فرمانے تشریف لائے تو دیکھ کر فرمایا:

نعمت البدعة هذه---

''یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے''---

اس حدیث سے یہ فوائد حاصل ہوئے:

[1] بدعت حسنہ نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔

[2] بدعت حسنہ کی اصطلاح بعد کے لوگوں کی گھڑی ہوئی نہیں بلکہ صحابہ کرام کی اصطلاح ہے۔

[3] جو نیا کام سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے بعد ہو، اگرچہ دورِ صحابہ کرام میں ہو، وہ بدعت میں داخل ہے۔

[4] صحابہ کرام بدعتِ حسنہ کا ارتکاب کرتے تھے اور ایسی بدعات کو نظرِ استحسان سے دیکھا کرتے تھے۔

[5] نماز تراویح پابندئ جماعت کے ساتھ ادا کرنا ایسی بدعت ہے جو آج دنیا بھر میں رائج ہے اور بدعات کے مخالف لوگ بھی اس بدعت سے جان نہیں چھڑا سکتے۔

دلیل سوم

بخاری شریف میں حدیث ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"جنگ یمامہ میں جب سات سو کے قریب حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کو مشورہ دیا کہ اگر اسی طرح جنگیں ہوتی رہیں تو خدانخواستہ کہیں قرآن کریم کا بیش تر حصہ حفاظ کے اٹھنے کے ساتھ اٹھ نہ جائے، میرا مشورہ ہے کہ آپ قرآن کریم کو کتابی شکل دیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر ﷛ نے فرمایا کہ میں وہ کام کیوں کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟

حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ نے عرض کیا:

ھٰذا و اللّٰہ خیر ---

"خدا کی قسم! یہ کام سراسر خیر ہے"---

حضرت سیدنا ابوبکر ﷛ نے فرمایا کہ عمر اس معاملہ میں مجھ سے بار بار تقاضا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے میرا سینہ حضرت عمر کی رائے قبول کرنے کے لیے کھول دیا۔ پھر حضرت سیدنا ابوبکر ﷛ نے حضرت زید بن ثابت ﷛ کو جمع قرآن کا حکم فرمایا، انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں وہ کام کیوں کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ نے فرمایا:

ھٰذا و اللّٰہ خیر ---

"بخدا! یہ کام نرا خیر ہے"---

حضرت زید بن ثابت ﷛ فرماتے ہیں، حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷛ نے مجھ سے بار بار تقاضا فرمایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے میرا سینہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کی بات کے لیے کھول دیا"---

اس حدیث پاک سے یہ نتائج برآمد ہوئے:

[1] قرآن کریم رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ میں کتابی شکل میں نہیں تھا۔

[2] قرآن کریم کو کتابی شکل دینا بدعت (حسن) ہے۔ اسی لیے شروع شروع میں سیدنا صدیق اکبر ﷛ اس طرف مائل نہ ہوئے، پھر جب حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ نے ان کی توجہ بار بار اس کی خوبی کی طرف دلائی تو حضرت عمر فاروق ﷛ کی موافقت فرمالی۔

[3] بدعت خیر بھی ہوتی ہے اور شر بھی اور قرآن کریم کو کتابی شکل دینا بدعت خیر میں داخل ہے۔

[4] قرآن کریم کی کتابی شکل، جو قیامت تک محفوظ رہنے والی کتاب ہے، اس کی حفاظت

کا ذریعہ ان کا نمازِ تراویح میں ہر سال سننا، سنانا اور اسے کتابی شکل میں لانا ہے اور یہ دونوں طریقے بدعت حسنہ ہیں، گویا قرآن کریم کی حفاظت ان دونوں بدعت حسنہ کی مرہونِ منت ہے۔

حدیث کا صحیح مفہوم

عوام الناس کو گیارہویں، بارہویں، عرس اور میلاد شریف وغیرہ معمولاتِ اہل سنت کو ان دونوں حدیثوں اور ان کے ہم معنی دوسری احادیث کے حوالے سے حرام کہہ کر گم راہ کیا جاتا ہے۔ احادیث کا وہی مفہوم معتبر مانا جائے گا جسے شارحین احادیث نے بیان فرمایا اور ان کے بیان کردہ مفہوم کی روشنی میں یہ معمولات نہ صرف جائز بلکہ مستحسن، باعث اجر و ثواب ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ پہلی حدیث (**من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد**) کی شرح میں راقم ہیں:

قال القاضی المعنی من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن له من الکتاب و السنة سند ظاھر او خفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیه---[مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد ا، صفحہ ۳۶۶]

''جس نے اسلام میں کسی ایسی رائے کو ایجاد کیا جس کی کتاب و سنت میں کوئی سند نہیں نہ ظاہر نہ خفی نہ ملفوظ نہ مستنبط تو وہ نا قابل قبول اور مردود ہے''---

اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ بدعت وہ ہے جو کتاب و سنت سے کسی طرح ثابت نہ ہو، نہ ظاہر طور پر نہ خفی طور پر، نہ اس کا ثبوت ملفوظ ہو، نہ ہی کتاب و سنت سے مستنبط ہو۔

چند سطور بعد علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

و فی قوله ما لیس منه اشارة الی ان احداث ما لا ینازع الکتاب و السنة کما سنقررہ بعد لیس بمذموم---

''رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''**ما لیس منه**'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو کام کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو اس کا ایجاد مذموم (برا) نہیں''---

ان تشریحات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ معمولات اہل سنت، کتاب و سنت کے منافی نہیں بلکہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً گیارہویں، بارہویں، سوم، چہلم، عرس وغیرہ سب صدقات و خیرات کے قبیل سے ہیں اور صدہا آیات و احادیث، صدقات و خیرات کی اہمیت

اوران کے اجر وثواب کے ذکر و بیان سے مالا مال ہیں۔

یوں ہی آقا و مولیٰ ﷺ کا پیر کو اس لیے روزہ رکھنا کہ وہ آپ ﷺ کی ولادت کا دن ہے اور ابولہب کا آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں لونڈی کو آزاد کرنا پھر اس کی برکت سے پیر کی شب عذاب میں تخفیف پانا، میلاد کو ثابت کرتا ہے۔

یوں ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا کنواں کھدوا کر پھر اسے ''ھٰذہ لامّ سعد'' فرما کر اپنی ماں کے لیے نامزد کرنا، صدقات و خیرات کی بزرگوں کے لیے نامزدگی کے جواز کو ثابت کرتا ہے۔

اسی طرح سرکار کا ہر سنیچر (ہفتہ) کو قبا شریف تشریف لے جانا اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہر جمعرات کو درس دینا تعیین ایام کو ثابت کرتا ہے۔

اب درس حدیث کی طرف آیئے، جس میں فرمایا گیا:

و کل بدعة ضلالة--- ''ہر بدعت گم راہی ہے''---

علامہ قاری علیہ الرحمہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ای کل بدعة سیئة ضلالة، لقوله علیه السلام من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها وجمع ابوبکر و عمر القرآن و کتبه زید فی المصحف و جدد فی عهد عثمان---

''ہر بُری بدعت گم راہی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جس نے عمل کیا اس کا بھی اس کے لیے اجر ہے اور اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قرآن کریم کو جمع فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کو مصحف میں لکھا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کی تجدید ہوئی''---

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ احادیث میں جہاں بدعت کو گم راہی کہا گیا ہے، وہ بدعت سیئہ کی نسبت کہا گیا ہے۔ اسی میں ہے:

قال الشافعی رحمه الله ما احدث مما یخالف الکتاب او السنة او الاثر او الاجماع فهو ضلالة و ما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذالک فلیس بمذموم و قال عمر فی مقام رمضان نعمت البدعة هذه---

"حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو نیا کام کہ کتاب وسنت یا اثر و اجماع کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے اور نیکی اور بھلائی کا وہ نیا کام جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو وہ برا نہیں ہے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح رمضان کے موقع پر فرمایا تھا کہ یہ کیا اچھی بدعت ہے"---

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل دینی کام جن کے خیر ہونے پر کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا، بدعت (حسنہ) ہیں:

[1] حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جمع قرآن کا عمل۔

[2] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف میں لکھنا۔

[3] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نئے سرے سے قرآن مجید لکھوانا۔

[4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پابندی کے ساتھ جماعت تراویح کا اہتمام کرانا۔

نیز بدعت کی گزشتہ تعریف کی رو سے ہزار ہا امور بدعت میں سے یہ چند امور بھی ہیں:

[5] سیاسی جماعتوں کی تشکیل۔

[6] ان کے لیے جھنڈوں کی اختراع۔

[7] سیاسی، مذہبی جلسے، جلوس۔

[8] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے جلسے۔

[9] موجودہ دور کے برتنوں میں کھانا کھانا۔

[10] موجودہ دور کے پختہ اور شاندار مکانوں میں رہنا۔

[11] بجلی کا نظام۔

[12] جدید جنگی آلات۔

[13] اخبارات و جرائد کا اجراء اور ان کا مطالعہ۔

[14] جدید ذرائع سفر، جیسے ٹرین، جہاز وغیرہ۔

[15] آج کل کی پختہ اور جدید طرز کی مساجد۔

[16] مدارس، اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کا قیام۔

ہمارے نزدیک یہ تمام امور بدعت ہونے کے باوجود جائز ہیں کیوں کہ یہ بدعت سیئہ نہیں۔

اسی لیے علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ بدعت کی چند اقسام ہیں:

[1] بدعت واجبہ، جیسے قرآن وسنت کا فہم پیدا کرنے کے لیے عربی گرامر پڑھنا۔

[2] بدعت محرمہ، جیسے گم راہ کن تمام فرقے۔

[3] بدعت مستحبہ، جیسے مدارس کا قیام اور ہر نیک کام جو عہد نبوت کے بعد ایجاد ہوا۔

[4] بدعت مباحہ، جیسے انواع واقسام کے جدید کھانے، جدید برتن وغیرہ۔

[ھذا خلاصۃ ما فی المرقاۃ و الشامی]

بعض لوگ دنیوی ایجادات جیسے جدید ذرائع سفر، گھڑی، جدید طرز کے مکانات وغیرہ کے بارے میں بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ دنیوی چیزیں بدعت ہیں اور بدعت کا تعلق دینی کاموں سے ہوتا ہے، لہٰذا دنیا کا کوئی کام بدعت نہیں، یہ بہت بڑا فریب اور دین میں تحریف ہے۔
علماء نے دنیوی ایجادات کو بدعت مباحہ میں داخل کیا ہے، علامہ علی قاری وغیرہ نے اس کی مثال کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت اور جدید طرز کے مکانوں سے دی ہے، نیز علامہ علی قاری نے مسلم شریف کی روایت من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو رد ''جس نے کوئی کام کیا جس کی دین میں اجازت نہیں تو وہ رد ہے'' کی تشریح میں لکھا ہے:

ای من اتی بشیء من الطاعات او بشیء من الاعمال الدنیویة و الاخرویة سواء کان محدثا او سابقا علی الامر لیس علیه امرنا ای و کان من صفته انه لیس علیه اذننا بل اتی به علی حسب ھواه فھو رد---[جلد۱،صفحہ۳۶۶]

''جس نے عبادت کا کوئی کام کیا یا دنیوی اور اخروی کاموں میں سے کوئی کام کیا، خواہ وہ کام نیا ہو یا پہلے کا ہو اور اس پر ہمارا امر نہ ہو یعنی ہماری اجازت سے نہ ہو بلکہ اپنی خواہش سے ہو تو وہ مردود ہے''---

اس عبارت میں پوری صراحت سے ذکر ہے کہ دینی کام ہو یا دنیوی، ان پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے، اگر وہ خلاف شرع ہیں تو بدعت مذمومہ ہے اور اگر خلاف شرع نہیں تو بدعت حسنہ ہے۔
جو لوگ دنیوی ایجادات کو بدعت میں داخل نہیں مانتے، شاید ان کے نزدیک سینما گھر، ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا اور کیبل جیسی بدعات شنیعہ بھی بدعت میں داخل نہیں اور اگر یہ امور بدعت ہیں تو دوسری جائز دنیوی ایجادات کیوں بدعت سے خارج ہیں۔



استخارہ کی حقیقت اور اس کی شرعی صورت

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

استخارہ ایک عمل مسنون ہے، جس کا طریقہ رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح بخاری اس طرح منقول ہے۔ محمد بن المنکدر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کام کے لیے ہمیں استخارہ کی اسی طرح تعلیم دی، جس طرح آپ ﷺ نے قرآن کریم کی سورتوں کی تعلیم دی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب تمہیں کوئی کام درپیش ہو یا سفر کا ارادہ ہو تو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (یہاں درپیش کام کا ذکر کرے) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَ یَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (یہاں درپیش کام کا ذکر کرے) شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ ـــــ

"اے اللہ! تجھ سے تیرے علم کے ذریعے خیر کی درخواست کرتا ہوں اور تیری قدرت سے تیری مدد اور تجھ سے استقامت چاہتا ہوں اور تجھ سے فضل عظیم کا خواست گار ہوں، میں قادر نہیں، تو صاحب قدرت ہے اور میں نادان ہوں تو ہی دانا ہے ـــــ الٰہی! غیب کا علم تجھی کو ہے، اے اللہ! اگر یہ کام میرے دین، میری دنیا، میری آخرت اور

انجام کے لحاظ سے میرے حق میں بہتر ہے اور جلد یا دیر میں فائدہ دینے والا ہے تو جو چیز میرے حق میں بہتر ہو اور میرے لیے نفع بخش ہو اس کو میرے لیے مقدر اور آسان فرما دے، اس میں مجھے برکت دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین، میری دنیا، میری آخرت اور انجام کے لحاظ سے میرے حق میں برا ہو تو اسے مجھ سے دور کر اور میرے لیے خیر اور بھلائی جہاں بھی ہو اس کا حصول میرے لیے آسان کر دے جب تک میں دنیا میں رہوں، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے"۔۔۔

استخارہ کی یہ دعا الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح بخاری کے علاوہ سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد میں بھی صلوٰۃ و دعائے استخارہ کا ذکر ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم، باب اسرار الصلوٰۃ میں یہ بھی لکھا ہے کہ نماز استخارہ کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھی جائے اور اس کے بعد یہ دعا کی جائے۔

استخارہ کی اس دعا کے الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ استخارہ کا عمل دراصل اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرنے کا عمل ہے اور خود کو خدا سپردگی کے عمل سے گزارنے کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی یقیناً رہنمائی فرماتا ہے اور اس کے طریقے بھی خود بہتر جانتا ہے۔ بسا اوقات خواب میں کوئی ایسی چیز یا کیفیت دکھا دی جاتی ہے کہ جس سے رہنمائی ہو جائے اور بسا اوقات اس معاملہ کے بارے میں دل میں کوئی بات اللہ تعالیٰ اس طرح ڈال دیتا ہے کہ انسان کو شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کام کو اللہ تعالیٰ کے توکل پر کر گزرتا ہے یا اس کام کے بارے ایسی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ انسان اس سے الگ ہونے ہی میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔

یہ خالصۃً اللہ تعالیٰ ﷻ اور بندے کے مابین ربط و تعلق کا ایک معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے رہنمائی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ استخارہ کا کوئی اور طریقہ کتاب و سنت میں نہیں ملتا، نہ ہی کوئی دوسرا طریقہ فقہاء کرام یا محدثین نے استخارہ مسنونہ و مستحبہ کا بیان کیا ہے۔

آج کل جگہ جگہ استخارہ کے بورڈ آویزاں اور بینرز لگے ہوئے ہیں، اخبارات و رسائل میں اشتہارات چھپ رہے ہیں اور ٹی وی سے ان کی تشہیر ہو رہی ہے، بلکہ ایک ٹی وی چینل سے تو استخارہ کے نام سے مسلسل ایک پروگرام چل رہا ہے، جس میں کوئی صاحب پس پردہ بیٹھے ہیں اور لوگ فون کر کے ان سے اپنے مسائل کا حل دریافت کرتے ہیں اور وہ اسی وقت استخارہ کر کے بتا دیتے ہیں کہ اس کام میں آپ کے لیے خیر ہے یا شر۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی نے آپ پر جادو ٹونہ کر رکھا

ہے یا جن بھوت کا کوئی اثر آپ پر پڑ گیا ہے اور اس کے لیے کون سا وظیفہ کارآمد ہے۔ ہمارے ایک قاری نے ہمیں بتایا کہ اس ٹی وی چینل کو روزانہ ہزار دو ہزار خط استخارہ پروگرام میں موصول ہوتے ہیں اور یہ بڑا مقبول پروگرام ہے۔

ہمارے اپنے تجزیہ کے مطابق اس وقت شہر کراچی میں بغیر انویسٹ منٹ کے کوئی کاروبار اگر سب سے مقبول اور نفع بخش ہے تو وہ یہی ہے، من مانی فیس لے لیجیے اور جھوٹ موٹ ہی یہ بتا دیجیے کہ کس نے جادو کیا ہے اور اس کے توڑ کے لیے کیسے بکرے کی سری کس کے گھر کے سامنے یا آنگن میں پھینکنی ہے۔ رشتوں ناطوں کے لیے استخارہ کا کوئی بھی طریقہ اختیار کر کے بتا دیجیے کہ یہ رشتہ مناسب رہے گا یا نہیں؟ اگرچہ یہ طریقہ شرعی ہو یا غیر شرعی۔

دم درود کے غیر شرعی طریقے جو شہر کے مختلف علاقوں میں موجود عاملوں نے اختیار کر رکھے ہیں، انھیں سن کر بھی شرم آتی ہے؟ ایک خاتون نے ہمیں خط لکھ کر مطلع کیا کہ فلاں صاحب مریض یا مریضہ کو خلوت میں لٹا کر دم کرتے ہیں اور مقام تکلیف و درد پر ہاتھ رکھ کر افسوں پڑھتے ہیں۔

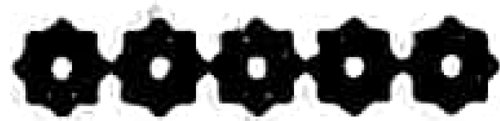
ٹیلی فونک استخارہ کا پروگرام تو ایک ٹی وی چینل سے پہلے ہی بڑی کامیابی سے چل رہا ہے، عین ممکن ہے، دم درود کا بھی ایسا ہی کوئی سلسلہ کسی دوسرے ٹی وی چینل سے مقابلہ میں جلد شروع ہو جائے۔

میڈیائی استخارہ و دم درود کو ماڈرن لوگوں کی زبان میں جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق اور ماڈریٹ اسلام کی نئی شکل بتایا جائے گا، مگر اس کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس غیر شرعی عمل کو معمولاتِ اہل سنت سے منسوب کیا جا رہا ہے اور ذمہ دار آخر کار علماءِ اہل سنت قرار پائیں گے اور وہ لاکھ انکار کریں، یہ انھی کے کھاتے میں جائے گا۔ جیسا کہ مزارات کے میلے ٹھیلے، سرکس، مجرے، ریچھ کتوں کی لڑائیاں اور سجدہ و طواف جاہل عوام کا خود ساختہ ہے، مگر کسی نہ کسی طرح علماءِ اہل سنت کے سر منڈھا جاتا ہے۔

ہماری گزارش علمائے اہل سنت سے یہ ہے کہ وہ خاموش رہیں گے تو ان کی خاموشی رضا سمجھی جائے گی لہٰذا انھیں برملا اس کا اعلان کرنا چاہیے کہ صاحبو! ہم اسے نہ استخارہ سمجھتے ہیں اور نہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ ہمارا اس سے اور اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور استخارہ نام کی جو چیز ٹی وی سے پیش کی جا رہی ہے، یہ ٹی وی والوں سے استشارہ تو ہو سکتا ہے مگر استخارہ کی تعریف اس پر ہرگز صادق نہیں آتی، لہٰذا اسے استخارہ کہنا شرعاً درست نہیں۔ عوام الناس کو باخبر کیا جائے کہ وہ اس پروگرام میں خط لکھ کر استخارہ کرانے کا جو عمل کر رہے ہیں اس سے لفظ استخارہ اور اس عمل استخارہ کی توہین ہو رہی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کا تعلیم فرمودہ عمل ہے۔

ہماری علماء اہل سنت سے استدعا ہے کہ اگر وہ ہماری اس رائے کو درست خیال فرمائیں تو استخارہ نامی پروگرام کو بند کرانے یا کم از کم اس کا نام تبدیل کرانے میں اپنا رول ادا کریں۔ ٹی وی چینل کے مالکان اگر اس بظاہر نفع بخش پروگرام کو جاری ہی رکھنا چاہتے ہیں تو وہ کم از کم اس کا نام بدل دیں، استخارہ کی بجائے استشارہ (مشورہ) رکھ لیں اور اس سے مراد ٹی وی چینل کا مشورہ ہو نہ کہ اللہ کا مشورہ۔

و ما علینا الا البلاغ.............



وفیات

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے فاضل حضرت مولانا نذیر احمد نوری بھی راہیٔ ملک بقا ہو گئے ---

انا للہ و انا الیہ رٰجعون

موصوف نیک سیرت، درویش منش، سادہ طبع اور ملنسار انسان تھے --- بصیر پور شریف سے فراغت کے بعد واں کے (مرید کے) میں مقیم ہو گئے اور نہایت استقامت کے ساتھ جم کر امامت و خطابت، درس و تدریس اور تبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے ---

عرصہ سے گوناگوں عوارض کا شکار تھے، تاہم دینی فرائض باحسن وجوہ انجام دیتے رہے ---
ان کے وصال پر حلقہ نوریہ کے وابستگان اور مرید کے کے دینی و مذہبی حلقوں نے نہایت افسوس کا اظہار کیا اور ان کی رحلت کو ایک بہت بڑا خلا قرار دیا ہے ---

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے صاحبزادگان کو ان کے مشن پر گامزن رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے ---

وابستگان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

مولانا حافظ احمد علی نوری، D/۳۸، دیپال پور اور مولانا قاری محمد علی نوری، راجووال کے والد گرامی ---

مولانا نذیر احمد اور مولانا منیر احمد کے والد گرامی مولانا حاجی جلال الدین، دیپال پور ---

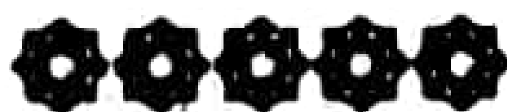
مولانا محمد بشیر نوری، لاہور اور مولانا عبدالرشید نوری، قصور کے قریبی عزیز --- اور

حاجی غلام رسول، کلاتھ مرچنٹ بصیر پور قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ---

انا للہ و انا الیہ رٰجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے ---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



موبائل فون---سہولت یا وباء؟

سرور منیر راؤ

گزشتہ چند دنوں سے ملک بھر میں ایسی افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ موبائل فون پر موصول کی جانے والی مخصوص کال سے انسانی زندگی ختم ہو سکتی ہے۔ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کی جانب سے بارہا وضاحت کرنے کے باوجود بھی لوگوں کا ایک حصہ اب بھی انجانے خوف میں مبتلا ہے۔ مجھے بھی ایک عزیز کا ایسا SMS موصول ہوا، جس میں درج تھا:

”موبائل پر Death Virus آ گیا ہے، اگر آپ کو 5180*000111 نمبر سے کال آئے تو اسے Attend نہ کرنا۔ سیال کوٹ میں دو افراد مر گئے ہیں۔ کسی سائنس دان نے عملی تجربہ کیا ہے، اس نمبر سے شعائیں پیدا ہوتی ہیں، جس سے سننے والا مر جاتا ہے“---

اس SMS کو موصول کر کے ایک لمحے کے لیے میں بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں ایسا ہو ہی نہ جائے۔ بظاہر یہ SMS ایک افواہ کی بنیاد پر مبنی تھا، لیکن جس رفتار سے ٹیکنالوجی ترقی کر رہی ہے، کوئی بعید نہیں کہ مستقبل میں ایسے مناظر دیکھنے میں آئیں۔

ماضی کا انسان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے کہ وہ کبھی ہزاروں اور لاکھوں میل دور رہنے والے افراد یا مناظر کو نہ صرف یہ کہ لمحے بھر میں دیکھ سکے گا یا ان سے بات کر سکے گا، لیکن آج کی سائنسی ترقی نے یہ سب کچھ ممکن بنا دیا ہے۔ مہلک ہتھیار اور ایٹمی توانائی کو ایک کیپسول (بم یا

میزائل) میں بند کر کے انتہائی حفاظت سے متعینہ ہدف تک پہنچایا جاتا ہے اور پھر وہاں تباہی مچائی جاتی ہے۔اس لیے مستقبل قریب میں موبائل فون کس کس مقصد کے لیے استعمال ہوگا؟ اس کا اندازہ ابھی لگانا مشکل ہے۔

سیلولر ٹیکنالوجی نے حیاتِ انسانی میں زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے، اس بنا پر وطنِ عزیز میں ٹیلی کام سیکٹر نے تیزی سے ترقی کی ہے۔کروڑوں پاکستانی موبائل فون کی سہولت سے مستفید ہو رہے ہیں۔اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی وبا اس قدر تیزی سے نہیں پھیلی، جتنی تیزی سے موبائل فون ہماری زندگی میں سرایت کر چکا ہے۔

ابتداء میں صرف آواز کی ترسیل کے لیے استعمال ہونے والا یہ آلہ، اب ہر روز نت نئی جدتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہو رہا ہے۔ایس ایم ایس، ویڈیو گیمز، کیمرہ، موسیقی، تلاوت، نعت، ایف ایم ریڈیو اور اہم خبریں، نہ جانے کیا کیا اس مواصلاتی سہولیات کے ذریعے موبائل فون اب کمپیوٹر کا متبادل بن چکا ہے۔"LAPTOP" تک اس میں سما چکا ہے۔

اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں تو موبائل فون انسانی جان کے لیے وبال بنتا جا رہا ہے، کیوں کہ یہ ہماری نجی زندگی میں مداخلت پر اتر آیا ہے۔خواب گاہ میں، سفر میں، اہم اجلاسوں میں، طلبہ کی جماعتوں میں، تعزیتی مجالس میں، حتیٰ کہ دورانِ عبادت بھی یہ مداخلت سے باز نہیں آتا۔

عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر کرسچن برنارڈ نے دنیا کی توجہ موبائل فون کے مضر اثرات کی جانب دلائی تھی، یہ وہی سرجن ہیں، جنھوں نے ۱۹۶۷ء میں پہلی مرتبہ قلب کی پیوند کاری کر کے دنیا کو حیران کر دیا۔ان کا کہنا ہے کہ میں موبائل کا مخالف نہیں، موبائل فون میرے استعمال میں بھی ہے، کیوں کہ یہ عملی ضرورت ہے، لیکن صحتِ انسانی کے لیے ہمیں کچھ حدود مقرر کرنا پڑیں گی، اپنے لیے بھی، اوروں کے لیے بھی۔

بعض اوقات موبائل فون لوگوں کو اس قدر پریشان کر دیتا ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسا ہو سکتا ہے؟ موبائل فون کی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی دسترس سے کسی بھی قسم کی ہوائی لہریں محفوظ نہیں۔ہوائی جہاز میں اسے اس لیے بند کروایا جاتا ہے کہ مواصلاتی آلات کی کارکردگی متاثر ہو سکتی ہے۔پٹرول پمپ پر بھی اس کے استعمال کی ممانعت ہے، کیوں کہ اس کی لہریں پیٹرول کی خوش بو میں آگ لگا سکتی ہیں۔

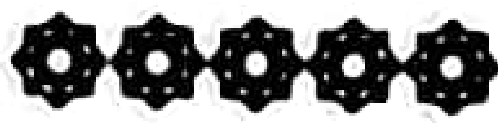
صحت مند لوگوں کو بھی اپنے قلب کی حفاظت کے لیے فون کو کھلی یا بند حالت میں سامنے کی جیب میں نہیں رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر کرسچن برنارڈ کا کہنا ہے کہ مستقبل قریب میں موبائل فون کے منفی اثرات کے بارے میں جان کر ہم حیران ہو جائیں گے۔

موبائل فون کے استعمال کے مضر اثرات کے حوالے سے اب تک جو شواہد سامنے آرہے ہیں، ان میں سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ موبائل فون کو کثرت سے استعمال کرنے والے افراد کے دماغی خلیوں پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق موبائل فون کی وجہ سے آئندہ دس سے بیس سال کے دوران دماغی کینسر کے امراض میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔

اس تمام بحث اور حقائق کا جائزہ لینے سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موبائل کو ضرورت کے تحت استعمال کرنا کوئی بری اور خطرناک بات نہیں، لیکن اس کے بلا جواز استعمال سے پیسے کے ضیاع کے علاوہ ذہنی صلاحیتیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔



وفیات

گزشتہ دنوں:

علامہ محمد الیاس اعظمی، قصوری کی والدہ محترمہ---

مولانا عبدالحی نوری، نئی آبادی بصیر پور کی اہلیہ صاحبہ اور پوتی--

مولانا محمد سلیم نوری، ولٹوہا حویلی لکھا کے والد صاحب---

مولانا صوفی محمد علی نوری، منڈی مریدکے، کے ماموں جان اور بھابی صاحبہ---

مولانا حافظ محمد حسین نوری، چک نمبر 19/1.A.L اوکاڑا کی خوش دامن صاحبہ---

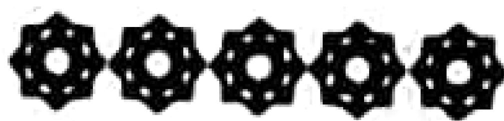
حافظ غلام مصطفی تبسم نوری، حافظ الیکٹرک سٹور حویلی لکھا کی دادی صاحبہ---اور

مولانا محمد شعبان نوری، بھومن شاہ کی نواسی قضائے الٰہی سے وفات پا گئی---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلیٰ اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



فون پر ہیلو کی بجائے مدینہ کہنا کیسا ہے؟

مفتی محمد نظام الدین رضوی 'انڈیا

دعوت اسلامی والوں نے آج کل یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب کسی کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو مدینہ مدینہ کہتے ہیں۔ کیا یہ مدینہ منورہ کی بے ادبی نہیں ہے؟ کم از کم مدینہ شریف ہی کہیں۔ بلکہ استنجا خانے کے قریب بھی یہ اس بے ادبی سے باز نہیں آتے' وہاں بھی مدینہ مدینہ کہتے رہتے ہیں۔ براہ کرم شرعی حکم بیان فرمادیجئے۔

الجواب

کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے مدینہ کہنا مباح ہے' اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ مجدد اعظم 'امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افتراء کیجئے' بلکہ احتیاط اباحت' ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجتِ مُبَیِّن' خود مُبَیَّن"

سیدی عبدالغنی بن سیدی اسماعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں :

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالیٰ بإثبات الحرمة او الکراهة للذین لا بد لهما من دلیل بل فی القول بالإجابة التی هی الأصل و قد توقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انه هو المشروع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیه النص القطعی...... آه و آثره ابن عابدین فی الأشربة مقرأ...... آه

(فتاویٰ رضویہ' رسالہ احلیٰ من السکر' جلد ۲' صفحہ ۹۰)

اور مدینہ مدینہ کہنا بے ادبی کی نہیں بلکہ محبت کی دلیل ہے کہ آدمی جس چیز سے محبت زیادہ کرتا ہے اس کا ذکر بھی بار بار کرتا ہے۔

ہاں لفظ مدینہ کے ساتھ کوئی کلمہ تعظیم کہنا' جیسے شریف' منورہ اور طیبہ وغیرہ خوب و محبوب ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اس کا عدم ذکر بے ادبی نہیں' جیسے ذکر الٰہی کے وقت اللہ کا ورد۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کلمہ تعظیم کا ذکر لسانی حیثیت سے خوب موزون و چست نہیں ہوتا' جیسے اشعار میں' مثلاً ذوق نعت میں ہے ؎

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ

اور نثر میں بھی بولا جاتا ہے :

سرکار مدینہ' تاجدار مدینہ' سلطان مدینہ' غبار مدینہ اور نثار مدینہ وغیرہ۔ اس طرح کے الفاظ عوام و خواص میں رائج ہیں اور کسی کو بے ادبی کا تصور تک نہیں ہوتا' وجہ وہی ہے کہ اس مقام پر ترکیب کے لحاظ سے شریف وغیرہ کلمات تعظیم کا ذکر خوب چست و موزوں نہیں ہے۔ نیز کلمات علماء بلکہ قرآن و حدیث میں بھی یہ لفظ بغیر کلمہ تعظیم کے ذکر کے وارد ہے' بطور نمونہ فتاویٰ رضویہ شریف کے ایک فتوے کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے :

۱ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو مدینہ کو یثرب کہے' اس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ ہے' مدینہ طابہ ہے۔

۲ حضور اقدس سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں وہ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ تو مدینہ ہے۔

۳ اور فرماتے ہیں ﷺ' بے شک اللہ عزوجل نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔

۴ مولانا علی قاری رحمہ الباری مرقاۃ شریف میں فرماتے ہیں :

قد حكى عن بعض السلف تحريم تسمية المدينة بيثرب

۵ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :

آں حضرت ﷺ او را مدینہ نام نہاد از جہت تمدن واجتماع مردم .....الخ

(فتاویٰ رضویہ' جلد ۹' صفحہ ۶۱' ۶۲' رضا اکیڈمی)

یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ مدینہ کہنے والے نے مخاطب کا نام مدینہ رکھ دیا' بلکہ یہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک مخصوص کلمہ (کوڈ) ہے' جیسے نمازیوں کو متوجہ کرنے کے لئے تثویب یا صدائے مدینہ وغیرہ۔

الغرض متوجہ کرنے کے لئے لفظ مدینہ کا ذکر جائز و مباح ہے' اس میں کوئی بے ادبی یا کراہت نہیں ہے۔ الا یہ کہ اسے ایسے مقام پر ذکر کیا جائے جہاں اس کے باعث کسی سنت کا ترک لازم آئے۔ مثلاً :

۱ ملاقات کے وقت پہلے مدینہ کہنا اور پھر سلام کرنا۔

۲ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت پہلے مدینہ کہنا اور پھر بسم اللہ پڑھنا یا یہ بھی نہ پڑھنا۔

۳ بیت الخلاء میں جاتے وقت اور نکلتے وقت دعائے ماثورہ کی جگہ مدینہ کہنا۔

فون پر ملاقات کے وقت ہیلو ہیلو کہنا اسلامی طریقہ کے خلاف ہے' یونہی مدینہ مدینہ کہنا بھی اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ اسلامی طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے السلام علیکم ورحمة الله و برکاته کہا جائے' پھر اپنی شناخت بتانے کے لئے کوڈ کا لفظ مدینہ وغیرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ لہذا فون پر ہر گز ہر گز اولِ ملاقات میں مدینہ مدینہ نہ کہا جائے' اس محل میں تسلیم کی سنت آہستہ آہستہ ہماری غفلت سے مردہ ہوتی جارہی ہے' جس کا احیاء ضروری ہے' اس پیغام کو تمام مسلمانوں میں عام سے عام تر کیا جائے اور ہیلو ہیلو اور مدینہ مدینہ بند کیا جائے۔

کوئی بھی فرد یا جماعت اپنی شناخت کے لئے کوئی کلمہ یا جملہ خاص کر لیتی ہے' اسے شعار' علامت یا کوڈ کہتے ہیں اور یہ عام طور پر رائج ہے' جس پر فقہائے کرام نے بھی نکیر نہ فرمایا۔ جنگوں میں صحابہ کرام کا شعار (کوڈ) "وا محمداه" تھا' تو اگر دعوت اسلامی نے اپنی شناخت کے لئے ایک لفظ مدینہ خاص کر لیا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امیر دعوت اسلامی پر لازم ہے کہ دعوت سے وابستہ افراد کو بطور خاص متنبہ کر دیں کہ جن مقامات پر مدینہ کہنے سے کسی سنت کا ترک لازم آتا ہے' ان مقامات پر سنت کی بجا آوری کریں اور لفظ مدینہ ہر گز نہ بولیں۔

نیز انہیں چاہیے کہ جو لوگ اس کلمہ خطاب سے آشنا نہیں ہیں انہیں اس سے متوجہ نہ کریں تاآنکہ وہ اس سے آشنا نہ ہو جائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد شریف الحق امجدی

لہو ولعب

مولانا عبداللطیف مسعود

موجودہ ماحول کے تفریحی اور وقت گزاری کے افعال کیرم بورڈ' لڈو' تاش' ٹی وی' وی سی آر' گیموں اور کیبل وغیرہ کے استعمال کا شرعی حکم۔

(ارشادات الٰہی) : ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین۔ واذا تتلی علیہ ایتنا ولی مستکبرا" کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا" فبشرہ بعذاب الیم۔ (لقمان آیت ۶'۷)

ترجمہ ! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (آج کل اکثر) جو اپنی جہالت سے کھیل کود کی چیزیں خرید لیتے ہیں تا کہ لوگوں کو دین کے راستے سے ہٹا دیں اور انہیں اپنی تفریح ودل لگی کا ذریعہ بنائیں' ان کیلئے رسوا کن عذاب ہوگا۔ جب ایسے لوگوں کو خدا کا حکم سنایا جاتا ہے تو وہ اکڑتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے ہیں گویا انہوں نے سنا ہی نہیں یا ان کے کان میں ڈاٹ دئے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو آپ دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

ف ! حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ اس آیت کے تحت ہر قسم کے تفریحی شغل واشغال کھیل تماشے اور تمام تفریحی چیزیں شامل ہیں' وہ شطرنج ہو' لڈو ہو' وی سی آر ہو' جوا ہو سب اس میں شامل ہیں۔

(۲) الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم الحیوۃ الدنیا فالیوم ننسٰھم کما نسوا

لقاء یومهم هذا وما کانوا بایٰتنا یجحدون○ (الاعراف ۵۱)
ترجمہ ! جن لوگوں نے اپنے طرز حیات کو محض کھیل تماشا ہی قرار دیا اور دنیاوی زندگی (کی رنگینیوں نے) انہیں دھوکے میں رکھا' تو آج (روز قیامت) ہم ان کو بھی اسی طرح (کسی قسم کی سہولت دینے سے) ان کو نظر انداز کردیں گے جس طرح کہ انہوں نے دنیا میں اس دن کی آمد کو (اس کے مطابق نہ زندگی گزار) کر نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور وہ ہمارے احکام وضوابط کا انکار کرتے رہے۔ نیز (مائدہ آیت ۵۷' الانعام ۷۱' طہ ۱۲۴ تا ۱۲۷)

(۳) ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحریق۔
ترجمہ ! یقین جانئے کہ جو لوگ ایمان دار مردوں اور خواتین کو کسی بد عملی یا بد رسمی (ٹی وی' وی سی آر' لڈو' جوا وغیرہ نیز عریانی اور فحاشی اور نئے نئے فیشنوں میں) مبتلا کردیتے ہیں اور پھر اس حرکت بد سے باز نہیں آتے' ان کیلئے (روز قیامت) جہنم کا عذاب ہوگا اور انہیں نہایت سنگین قسم کے جلنے کا عذاب دیا جائے گا۔ (آیت ۱۰ سورۃ بروج) مزید دیکھئے سورۃ نور کی آیت نمبر ۱۹۔

ارشادات رسول ﷺ

۱۔ حضرت بریدہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا جو شخص نرد شیر (ایک ایرانی کھیل ہے) سے کھیلا' تو گویا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لئے۔ (مشکوۃ ص ۳۸۶ بحوالہ مسلم)

۲۔ ایسے ہی ابو داؤد ص ۳۱۹ ج ۲ میں بھی ہے۔

۳۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو آدمی نرد شیر سے کھیلا تو بے شک اس نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی (نرد شیر میں بھی لڈو اور شطرنج کی طرح مہرے اور گیٹیاں استعمال ہوتی ہیں لہٰذا حکم ایک ہی ہوگا۔)

۴۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے فرمایا نرد شیر کھیل کھیلنے والے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑا ہوجائے۔ (یہ سب یہی حساب دیگر گیموں کا ہوگا) رواہ احمد' ابو یعلی الموصلی' بیہقی وغیرہ ص ۳۱۹ ج ۲۔

۵۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں (غیر عرب) کا جوا ہے اور جوا حرام ہے لہٰذا شطرنج بھی حرام ہوگا، اسی طرح لڈو اور دیگر گیموں کا حکم ہوگا۔

۶۔ نیز فرمایا شطرنج عمل باطل (یعنی ناجائز اور حرام) ہے اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں کرتا۔ (مشکوۃ ۳۸۷)

۷۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص (غلطی سے) لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے تو وہ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے۔ اور جو شخص اپنے دوست کو کہے آؤ وقت گزارنے کیلئے جوا کی بازی لگالیں تو اسے کچھ صدقہ کردینا چاہیے ب ۹۸۴۔

فائدہ: یہ بصرف کہنے پر فرمایا اور اگر وہ بازی لگانا شروع کردیں تو اس کا حکم اور ہوگا۔ دراصل خدا اور اس کا رسول ﷺ ہر انسان کو اس کے ہر عمل و فعل میں نقصان سے بچانے کیلئے کنٹرول فرماتے ہیں تو ہمیں چاہیے ہر جائز کام کرنے کی فکر میں ہر بری بات سے بچنے کی ہر وقت کوشش کریں۔

۸۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جب میری امت پانچ چیزوں کو حلال سمجھنے لگے گی تو اس پر تباہی نازل ہوگی (۱) جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہوجائے گی (۲) مرد ریشمی لباس پہننے لگیں (۳) گانے بجانے اور ناچنے والی عورتیں رکھنے لگیں (۴) جب شراب عام پی جانے لگے (۵) اور جب ہم جنس پرستی عام ہوجائے۔ حتیٰ کہ آج مغربی چرچ میں باہمی مرد کی مرد اور عورت کی عورت سے شادیاں ہورہی ہیں۔ معاذ اللہ

۹۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا آخیر وقت میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر بن جائیں گے صحابہؓ نے عرض کیا! کیا توحید ورسالت کے منکر ہوجائیں گے؟ فرمایا! نہیں ظاہراً وہ نماز، روزہ، حج وغیرہ ادا کرتے ہوں گے مگر برائے نام۔ عرض کیا! پھر وہ ایسے کیوں ہو جائیں گے؟ تو فرمایا؟ اعمال کے ساتھ ساتھ وہ گانا بجانا اور دیگر تفریحات بھی اختیار کرلیں گے، نماز کے ساتھ ٹی وی بھی دیکھیں گے اور شرابیں پیئں گے یہ وہ کام کرکے وہ رات گزاریں گے اور صبح کو بندر اور خنزیر بن چکے ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۱۰)

۱۰۔ حلال وحرام کی تمیز ختم ہوجائے گی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لوگوں پر ایسا وقت بھی آجائے گا کہ ان کی روزی حلال کے ذریعے سے آرہی ہے کہ حرام سے، کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ (بخاری ص ۲۷۶)

آخیر زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ! اس امت میں چار فتنے سنگین قسم کے ہوں گے ان میں سے آخری تباہ کن فتنہ گانا بجانا ہوگا۔ (ابو داؤد ص ۵۶ ج ۲)

برادران اسلام ! سید المرسلین ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ حرام چیزوں کے نام بدل کر حلال کرنے کی کوشش کریں گے۔ او کما قال جیسے سود کا نام منافع (انٹرسٹ) رکھ دیا ہے' بے حیائی اور عریانی کو ثقافت اور آرٹ کا نام دے دیا۔ اور ڈراموں اور فلموں کو ذہنی سکون کا نام دے دیا۔ ایسے ہی مندرجہ بالا تمام کھیلوں کو ان کے نام بدل کر کیرم بورڈ' لڈو' گیمیں کا نام دے کر ان کو اختیار کرلیا حتی کہ بعض سمجھ دار لوگ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر بھی فلم' لڈو اور شطرنج بڑے ٹھسے سے کھیلتے ہیں' ایسے ہی سود کی مختلف صورتیں نکل آئیں مثلاً" انعامی بانڈز' سٹہ بازی اور تمام انعامی سکیمیں اور مختلف قسم کی لاٹریاں اور انعامی ٹکٹ یہ سب سود اور حرام ہے۔ دشمنوں نے ہماری تہذیب اور کلچر کو اسلام سے ہٹانے کیلئے ان چیزوں کو رواج دے دیا بالخصوص موجودہ فحاشی کو عام کرکے ہمارے قومیت اور تشخص کو تباہ کیا جارہا ہے کیونکہ انہوں نے بھی ہماری تمام کتابیں پڑھی ہوئی ہیں بالخصوص کرکٹ میچ جو کہ بالکل بے مقصد اور فضول ہیں لیکن لوگ اس انہماک سے دیکھتے ہیں کہ تمام معاشرتی حرکات موقوف ہوجاتی ہیں' نہ نماز کا فکر' نہ کاروبار کی اور نہ دوسرے امور کی' اس کا وہی ہٹلر والا علاج ہے اس پر مکمل پابندی لگادی جائے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ شطرنج اور تاش دونوں حرام ہیں' رقم لگائیں یا نہ لگائیں۔ (احکام شریعت ص ۲۵۴) کبوتر بازی اور بٹیر بازی حرام ہے۔ (ص ۲۴۴) پتنگ بازی اور ڈور لوٹنا حرام ہے۔ (احکام شریعت ص ۶۵) مگر افسوس یہ ہے کہ اب ہر طبقہ کے لوگ بلا تمیز ان سب برائیوں میں ملوث ہیں تو ہمارے دین وایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام برائیوں سے بچ کر اپنے ماحول کو پاک صاف رکھیں خدا اور رسول ﷺ کی ہمہ قسم کی نافرمانی سے بچ کر قیامت کے روز امت مصطفےٰ میں محشور ہوکر رحمت کائنات ﷺ کی شفاعت کے مستحق بن سکیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

تصوف کیا ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

تصوف کی اصل قرآن وحدیث ہے، تصوف کی بنیاد شریعت ہے--- قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''--- [۱]

اس میں تصوف کا بھی بیان ہے--- تصوف میں سارا زور شریعت پر ہے اور حضور ﷺ کے اقوال واعمال واحوال ہی شریعت ہیں، جس کے لیے قرآن حکیم میں فرمایا:

''اور جو کچھ رسول تمھیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو''--- [۲]

اللہ ﷻ سے ڈرنا اور رسول اللہ ﷺ کا کہنا ماننا ہی تصوف ہے--- اور کہنا، ماننا بغیر محبت کے ممکن نہیں، جس سے محبت ہوتی ہے، دل سے اسی کا کہا مانا جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی سے محبت نہیں''--- [۳]

اور حضور ﷺ دعا فرما رہے ہیں:

''الٰہی! تو اپنی محبت کو میری جان، میرے اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب کر''--- [۴]

اللہ تعالیٰ کے حبیب کریم ﷺ نے اللہ سے اللہ کی محبت مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی اور اپنے حبیب کریم ﷺ کی محبت کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہارے کمائی کے مال، وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان، یہ چیزیں اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں، تو راستہ دیکھو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ سرکشوں کو راہ نہیں دیتا'' ---[۵]

تصوف خوابیدہ محبت کو جگا کر دیوانہ بناتا ہے--- اسلام کو اسی دیوانگی کی ضرورت ہے، جس سے سارا عالم لرزاں و ترساں ہے--- اب ہم اپنے دلوں کو خود جھانک کر دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے بتائیں کہ کیا ہم کو اللہ و رسول سے ایسی محبت ہے، جس کا قرآن حکیم مطالبہ فرما رہا ہے؟--- بے شک یہ محبت جب دل میں گھر کر جاتی ہے تو دل کی دنیا ہی بدل جاتی ہے--- اللہ کے نیک بندوں کے جب ملفوظات سنیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ نئے جہان کی خبر دے رہے ہیں--- اس کے لیے تو قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے، وہ اسے بلند کرتا ہے'' ---[۶]

ہمارے دامن پاکیزہ کلام سے بھی خالی ہیں اور نیک کاموں سے بھی--- ہم تہی دامن ہیں اور ان پر بڑھ بڑھ اعتراض کرتے ہیں، جن کے دامن بھرے ہوئے ہیں--- افسوس ہم کیا کرتے ہیں؟

قرآن حکیم اور احادیث شریفہ میں صرف محبت ہی کا ذکر نہیں، محبت والوں کا بھی ذکر ہے، یہی اللہ کے دوست ہیں، یہی اللہ کے ولی ہیں، انہیں کو ہم صوفی بھی کہتے تھے (اب تو یہ لفظ بھی ذرا عامیانہ اور سوقیانہ ہو گیا ہے)--- قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا، اپنے چنے ہوئے بندوں کو، تو ان بندوں میں:

- ......کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے---
- ......کوئی ان میں میانہ چال پر ہے---
- ......کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا---

یہی بڑا فضل ہے'' ---[۷]

اس آیہ کریمہ میں بندوں کے تین طبقوں کی طرف اشارہ فرمایا:

۱......اپنی جان پر ظلم کرنے والے---

۲......میانہ چال چلنے والے---

۳...... بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے---

یہ صوفیہ کرام ہیں---انھیں سبقت لے جانے والوں کے لیے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی نیک کاموں میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں''---[۸]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اور جو سبقت لے گئے، وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں، چین کے باغوں میں، اگلوں میں سے ایک گروہ، پچھلوں میں سے تھوڑے''---[۹]

وہ کون ہیں، جو اگلوں میں بہت ہیں؟---وہ کون ہیں جو پچھلوں میں تھوڑے ہیں؟---وہ یہی صوفیہ ہیں، وہ یہی اولیاء ہیں---ہم نے سب کو ایک سمجھ لیا ہے، یہ ہماری نادانی ہے---اللہ تعالیٰ سب کو ایک سمجھنے والوں کے سامنے حقیقت کھول کر بیان فرما رہا ہے:

''برابر نہیں اندھا، انکھیارا اور نہ اندھیریاں اور اجالا اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ اور برابر نہیں زندے اور مردے''---[۱۰]

یہاں جسم کے زندوں اور مردوں کا ذکر نہیں فرمایا، دل کے زندوں اور مردوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہی انکھیارے ہیں، وہی اجالوں میں ہیں، وہی انوار الٰہیہ کی تیز دھوپ میں ہیں---اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کا یوں تعارف فرمایا:

''اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے''---[۱۱]

منتیں پوری کرتے ہیں---یعنی فرائض اور واجبات وسنن ادا کرنے کے بعد نوافل کے ذریعہ نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں---ابن تیمیہ نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص پیاروں کا ذکر فرمایا ہے---ذرا حدیث قدسی کے یہ الفاظ تو ملاحظہ فرمائیں، پھر ان الفاظ کی روشنی میں صوفیہ اور اولیاء اللہ کی رفعتوں اور بلندیوں کا اندازہ لگائیں:

''سب سے زیادہ جس چیز سے میرا بندہ میرا قرب حاصل کر سکتا ہے، میرے فرائض کی ادائیگی ہے---میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے برابر نزدیک ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں محبت کرتا ہوں تو:

● ......اس کے کان ہوتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے---

- ......اس کی آنکھ ہوتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے---
- ......اس کا ہاتھ ہوتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے---
- ......اس کے پاؤں ہوتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے---

پس وہ:

- ......مجھ ہی سے سنتا ہے---
- ......مجھ ہی سے دیکھتا ہے---
- ......مجھ ہی سے پکڑتا ہے---اور
- ......مجھ ہی سے چلتا ہے---[۱۲]۔

وہ نوافل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں، ہمیں فرض پڑھنے دوبھر ہو جاتے ہیں--- فرض پڑھ لیتے ہیں، تو سنتیں ادا کرنی مشکل ہو جاتی ہیں--- کیسے نوافل؟ کیسے مستحبات؟---ہم باتیں بہت بناتے ہیں، کام نہیں کرتے--- اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نوافل کے ذریعہ اپنا قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے---آمین

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بار بار اپنے پیاروں کا ذکر فرمایا، کچھ اور آیات سماعت فرمائیں:

- ......"بے شک نیکوکار ضرور چین میں ہیں، تختوں پر (بیٹھے) دیکھتے ہیں، تو ان کے چہروں کو چین کی تازگی (سے) پہچانے"---[۱۳]

دوسری جگہ فرمایا:

- ......"تو وہ لوگ (جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے ساتھ ہیں، یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"---[۱۴]

ایک جگہ فرمایا:

- ......"خبردار! ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم"---[۱۵]

دوسری جگہ فرمایا:

- ......"اللہ تعالیٰ انھیں دوست رکھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں"---[۱۶]

ایک جگہ فرمایا:

- ......"وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے سچا کر دیا اس عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے کیا تھا"---[۱۷]

دوسری جگہ فرمایا:

● ...... ''رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نیک کاموں میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے ہیں'' ---[۱۸]

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور پیاروں کی جو خوبیاں بیان فرمائی ہیں، وہ میں نے چشم سر سے اپنے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۹۶۶ء، شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) میں دیکھی ہیں، وہ جلیل القدر عالم اور سلسلۂ نقشبندیہ کے عارف کامل اور صوفی باصفا تھے --- ان کو دیکھ کر تصوف پر میرا یقین اور مستحکم ہو گیا اور ہر قسم کا شک و شبہ جاتا رہا --- بے شک جس نے زندہ مثالیں نہیں دیکھیں وہ معذور ہے ---

احادیث مبارکہ میں بھی حضور انور ﷺ نے ان اولیاء و صوفیہ اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں اور پیاروں کا ذکر فرمایا ہے --- سنیے:

● ...... ''بہت پراگندہ سر، اگر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضرور سچ کر دے'' ---[۱۹]

عرض کیا گیا:

● ...... ''یارسول اللہ! لوگوں میں افضل شخص کون ہے؟'' ---

فرمایا:

● ...... ''جو کسی گھاٹی میں سب سے الگ ہو کر جا بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے'' ---[۲۰]

● ...... ''دنیا میں پردیسی یا مسافر گیر کی طرح رہو'' ---[۲۱]

● ...... ''جو لوگ میرے لیے باہم محبت کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے'' ---[۲۲]

● ...... ''ان کے لیے میری محبت واجب ہو گی، جو میرے لیے باہم محبت کریں'' ---[۲۳]

❶

شریعت و طریقت ہی تصوف ہے اور تصوف ہی شریعت و طریقت ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں --- شیخ جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ/۱۰-۹۰۹ء) نے فرمایا:

''ہمارے طریقے کی بنیاد کتاب و سنت ہے اور ہر وہ طریق جو سنت کے خلاف

ہو، مردود و باطل ہے"---[۲۴]

جب ہم صوفیہ کے اقوال و اعمال پر نظر ڈالتے ہیں تو کتاب و سنت کے مطابق پاتے ہیں، اِلَّا ماشاء اللہ---مثلاً صوفیہ کے اقوال و اعمال میں ان باتوں کا ذکر ملتا ہے، یہ ساری باتیں قرآنِ حکیم میں موجود ہیں:

- ذکر---[۲۵]
- توکل---[۲۶]
- فقر---[۲۷]
- زہد---[۲۸]
- رضا---[۲۹]
- فنا---[۳۰]
- بقا---[۳۱]
- مراقبہ---[۳۲]
- اخلاص---[۳۳]---

وغیرہ وغیرہ

ہم قرآن نہیں پڑھتے، سنی سنائی پر یقین کر لیتے ہیں اور اس طرح یقین کر لیتے ہیں جیسے خود آنکھوں سے دیکھی یا پڑھی ہوں، دانا و بینا انسان کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں کہ خواہ مخواہ کسی کا مخالف ہو جائے---اللہ تعالیٰ نے صوفیہ کی یہ شان بتائی:

"جو اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ لیتے اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور کرتے ہیں"---[۳۴]

ذرا غور تو کریں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء، صوفیہ کی کیسی کیسی خوبیاں بیان فرمائیں اور ان کے درجوں کو بلند کر دیا---سنیے:

① ......توبہ والے
② ......عبادت والے
③ ......سراہنے والے
④ ......روزے والے
⑤ ......رکوع والے
⑥ ......سجدہ والے
⑦ ......بھلائی بتانے والے
⑧ ......برائی سے روکنے والے
⑨ ......اللہ تعالیٰ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے

اور

خوشی سناؤ، مسلمانوں کو---[۳۵] (کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد وفا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں داخل کرے گا)---

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ہم سے کتنے اس قرآنی معیار پر پورے اترتے ہیں---ہم تو دنیا کے پیچھے ایسے لگے ہیں کہ اپنا بھی ہوش نہیں---ہم تو "طَالِبُهَا كِلَاب" کے زمرے میں شامل نظر آتے ہیں---ان کی شان یہ تھی کہ اپنے گھر ہی سے نہیں، اپنے دل سے دنیا نکال کر باہر

پھینک دی تھی --- کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا پر کاہ کے برابر بھی نہیں، خود فرما رہا ہے:

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کافروں کی دولت اور عیش وعشرت دیکھ کر سب کافر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ منکرین کے مکانوں کی چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتا جن پر چڑھتے، چاندی کے دروازے اور چاندی کے تخت جن پر تکیہ لگاتے اور طرح طرح کی آرائشیں عطا فرماتا، مگر یہ جیتی دنیا کے اسباب ہیں --- آخرت، رہنے والی دنیا تو پرہیزگاروں کے لیے ہے'' --- [۳۶]

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں چند احادیث شریفہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

① ...... ''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی نہ دیتا'' --- [۳۷]

② ...... ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کرم فرماتا ہے اسے دنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسا تم اپنے بیمار کو بچاؤ'' --- [۳۸]

③ ...... حضور انور ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک مردہ بکری دیکھی، فرمایا:

''دیکھتے ہو! اس کے مالکوں نے اسے بہت بے قدری سے پھینک دیا، دنیا کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بھی قدر نہیں جتنی بکری والوں کے نزدیک اس مری بکری کی ہے'' --- [۳۹]

حضور انور ﷺ نے دنیا کو اپنے گھر سے اور اپنے دل سے باہر نکال پھینکا --- یہ آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے، اسی کو زہد کہتے ہیں، صوفیہ نے اسی پر عمل کیا، یہ حضور انور ﷺ کی سنت ہے --- جیسا کہ عرض کیا گیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ:

- ...... غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے ---
- ...... سواری کے لیے دراز گوش استعمال فرماتے تھے ---
- ...... صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے --- [۴۰]

یہ خوبیاں آپ کو صوفیہ میں ملیں گی، جن سے ہم نفرت کرتے ہیں --- وہ مسکینوں اور غریبوں کی دعوت قبول کر لیتے ہیں، ہم کو غریب سے ہی نفرت ہے، اس کی دعوت کیا قبول کریں گے؟ --- وہ معمولی سے معمولی سواری کو استعمال کر لیتے ہیں، ہم کو بڑی بڑی شان دار گاڑیاں چاہئیں، ایک سے ایک اعلیٰ --- وہ معمولی سے معمولی لباس پہن لیا کرتے ہیں، ہم کو ایک سے ایک عمدہ کپڑا چاہیے --- الغرض ہمارے رہن سہن میں سنت کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، وہ سنت کے رنگ میں

رنگے ہوئے تھے---قرآن کریم میں بھی زاہدوں کا ذکر ہے، جن کو وہ پیار ملا کہ:

- ......دست قدرت نے خود سلایا، خود جگایا---[۴۱]
- ......پھر خود سلایا، تھپتھپایا، کروٹیں بدلوائیں---[۴۲]
- ......ان کے غار کے دہانے پر یادگار مسجد بنائی گئی---[۴۳]
- ......اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نشانی قرار دیا---[۴۴]

بے شک صوفیہ اور اولیاء، اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں ہیں---

مختلف صوفیہ کرام نے زہد کی فضیلت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے، نہ صرف فرمایا ہے، بلکہ عملاً بھی کیا ہے---مثلاً:

- ......شیخ حسن بصری ؒ (متوفی ۱۱۱ھ/۷۲۹ء)
- ......شیخ ذوالنون مصری ؒ (متوفی ۲۴۵ھ/۸۵۹ء)
- ......شیخ جنید بغدادی ؒ (متوفی ۲۹۷ھ/۱۰-۹۰۹ء)
- ......شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ (متوفی ۵۶۱ھ/۶-۱۱۶۵ء)
- ......شیخ شہاب الدین سہروردی ؒ (متوفی ۶۳۲ھ/۱-۹۸۰ء)
- ......شیخ نظام الدین دہلوی ؒ (متوفی ۷۲۵ھ/۵-۱۳۲۴ء)
- ......حضرت سلطان باھو ؒ (متوفی ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء)---وغیرہ وغیرہ

مؤخر الذکر کے زہد کا یہ عالم تھا کہ اپنی زمین خود کاشت فرماتے، جب فصل تیار ہو جاتی، چلے جاتے تا کہ ضرورت مند اور حاجت مند فصل کاٹ کر لے جائیں---سب غریبوں کو معلوم تھا کہ یہ فصل ہمارے لیے لگائی جا رہی ہے---بے شک "اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ"---

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کی جو تعریف کی ہے، وہ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر صادق آتی ہے---آپ نے یہ تعریف فرمائی ہے:

- ......"مخلوقات کی موافقت سے دل کو صاف کرنا---
- ......طبعی اور نفسیاتی اوصاف سے جدا ہونا---
- ......بشری صفات کا فنا ہونا---
- ......نفسانی خواہشات سے گریز ہونا---
- ......روحانی صفات کا طلب گار ہونا---
- ......حقیقی علوم سے متعلق ہونا---

...... دائمی اچھے کاموں کو اختیار کرنا---

...... تمام امت کا خیر خواہ ہونا---

...... حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار رہنا---

...... شریعت میں رسول اللہ ﷺ کا پیروکار رہنا---

...... ایسی دیگر صفات اور برکات کا حاصل ہونا"---[۴۵]

2

ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہی تصوف ہے، اسی پیروی کا نام شریعت بھی ہے اور طریقت بھی---ظاہر کی پیروی شریعت ہے، باطن کی پیروی طریقت ہے---ہم تو ظاہر میں بھی پیروی نہیں کر رہے، بلکہ ہمارا طرز عمل تو باغیانہ ہے، باطن کی کیا پیروی کریں گے؟---جب ہم حضرات اولیاء و صوفیہ کے اقوال و اعمال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں شریعت کی جلوہ گری نظر آتی ہے---سنیے! شریعت اور پیروی سنت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں:

- ...... **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۷۹ھ/۷۹۵ء) فرماتے ہیں:

"جس نے علم فقہ حاصل کیے بغیر راہِ تصوف اختیار کی، وہ زندیق ہوا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا، تصوف کے راستہ پر نہیں چلا، وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا، وہ صحیح مومن ہے"---[۴۶]

- ...... **شیخ عبد القادر جیلانی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء) فرماتے ہیں:

"اگر حدودِ شریعت میں سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے، بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے"---[۴۷]

- ...... **شیخ شہاب الدین سہروردی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۰ھ/۹۸۰ء) فرماتے ہیں:

"جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے، وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے"---[۴۸]

- ...... **جنید بغدادی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۹۷ھ/۱۰-۹۰۹ء) فرماتے ہیں:

"جس نے نہ قرآن یاد کیا، نہ حدیث لکھی (یعنی علم شریعت سے آگاہ نہ ہوا) طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں، اسے اپنا رہبر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب و سنت کا پابند ہے"---[۴۹]

- ...... **شیخ محی الدین ابن عربی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱-۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) فرماتے ہیں:

"خبردار! علم ظاہر جو شریعت کی میزان ہے، اسے ہاتھ سے نہ چھوڑنا، بلکہ جو کچھ

اس کا حکم ہے، فوراً اس پر عمل کرو" ---[۵۰]

● ...... **امام غزالی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) **شیخ سری سقطی** (متوفی ۲۵۰ھ/۵-۸۶۴ء) کی دعا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا، وہ فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا، اس نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا" ---[۵۱]

● ...... **شیخ محمد عارف ریوگری** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۴ھ/۷-۱۲۳۶ء) فرماتے ہیں:

"اے عارف! جب تک اپنے اقوال و اعمال و احوال میں بغیر کمی بیشی کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ اور شریعت رفیعہ کی پیروی نہ کرے گا، بلاشبہ تو مقبولوں اور واصلوں کے زمرے میں نہ ہوگا" ---[۵۲]

● ...... **شیخ عبد الوہاب شعرانی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۳ھ/۶-۱۵۶۵ء) فرماتے ہیں:

"(ا)...... تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے --- علم تصوف، چشمۂ شریعت سے نکلی ہوئی نہر ہے" ---[۵۳]

(ب)...... تمام اولیاء کرام کا اجماع ہے کہ طریقت میں صدر بننے کا لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا دریا ہو" ---[۵۴]

● ...... **شیخ احمد سرہندی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) فرماتے ہیں:

"طریقت و شریعت ایک دوسرے کے عین ہیں، بال برابر بھی ان دونوں میں فرق نہیں، جو چیز شریعت کے خلاف ہے، وہ مردود ہے" ---[۵۵]

● ...... **شیخ عبد الحق محدث دہلوی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) فرماتے ہیں:

"تصوف، فقہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ صحیح ہی نہیں، تصوف کی طرف رجوع فقہ کے ساتھ جائز ہے" ---[۵۶]

● ...... **شیخ عبد الغنی نابلسی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷۳۰ء) فرماتے ہیں:

"اے عاقل، اے حق کے طالب! دیکھو، یہ عظمائے مشائخ طریقت، یہ کبرائے ارباب حقیقت، سب کے سب شریعت مطہرہ کی تعظیم کر رہے ہیں" ---[۵۷]

● ...... **حاجی محمد امداد اللہ** چشتی مہاجر مکی (متوفی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

"پہلا مرتبہ (زبان سے اقرار) شریعت ہے اور دوسرا مرتبہ (دل کی تصدیق) طریقت، ان سے کوئی مرتبہ بھی دوسرے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا --- حدیث شریف

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے'' کی مراد یہی دل کی تصدیق ہے''---[۵۸]

● ...... **شیخ احمد رضا بریلوی** رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) فرماتے ہیں:

''یقیناً طریقت راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا، لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے''---[۵۹]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر صوفی، ہر ولی، شریعت کی بات کر رہا ہے، ظاہر و باطن میں شریعت پر عمل ہی تقویٰ ہے، متقی ہی صوفی اور ولی ہے، جس کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۝﴾---[۶۰]

''اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں''---

یہ سارے حقائق اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ صوفیہ کے پاس کچھ ہے جبھی تو شاہان وقت کھنچے چلے آ رہے ہیں، بلاشبہ تصوف ہر دور کی ضرورت ہے اور اس دور کی بھی ضرورت ہے، ہر شعبۂ زندگی کو تصوف کی ضرورت ہے، بے شک:

● ...... تصوف، روحِ اسلام ہے---
● ...... تصوف، جانِ ایمان ہے---
● ...... تصوف، بندگی ہے---
● ...... تصوف، زندگی ہے---
● ...... تصوف، سادگی ہے---
● ...... تصوف، ہمدردی و غم خواری ہے---
● ...... تصوف، دل داری و دل نوازی ہے---
● ...... تصوف، سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے---
● ...... تصوف، صدقِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے---
● ...... تصوف، ضربِ حیدر رضی اللہ عنہ ہے---
● ...... تصوف، فقرِ بوذر رضی اللہ عنہ ہے---
● ...... تصوف، عدالت و دیانت ہے---
● ...... تصوف، معیشت و معاشرت ہے---
● ...... تصوف، خزینۂ رحمت ہے---
● ...... تصوف، تہذیب و تمدن ہے---
● ...... تصوف، عقل کا حیرت کدہ ہے---
● ...... تصوف، دل کا راحت کدہ ہے---
● ...... تصوف، برہانِ رب ہے---
● ...... تصوف، روحِ رواں ہے---
● ...... تصوف، لشکرِ جرار ہے---
● ...... تصوف، حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ ہے---
● ...... تصوف، سکونِ دلِ بے قرار ہے---
● ...... تصوف، دوائے دردِ دل ہے---
● ...... تصوف، بہارِ بے خزاں ہے---

● ......تصوف، بحروبر ہے--- ● ......تصوف، جہاں گیر و عالم گیر ہے---

● ......تصوف، بصیرت و بصارت ہے--- ● ......تصوف، فرمان حق ہے---

حوالہ جات

۱......سورۃ النحل:۸۹
۲......سورۂ حشر:۷
۳......سورہ بقرہ:۱۶۵
۴......ترمذی، کتاب الدعوات، صفحہ۵۰۳
۵......سورۂ توبہ:۲۴
۶......سورۂ فاطر:۱۰
۷......سورہ فاطر:۳۲
۸......سورہ مؤمنون:۶۱
۹......سورۂ واقعہ:۱۰،۱۴
۱۰......سورہ فاطر:۲۲
۱۱......سورۂ دھر:۷
۱۲......ابن تیمیہ، اصحاب صفہ اور تصوف کی حقیقت، (ترجمۂ اردو عبد الرزاق ملیح آبادی) الدار السلفیہ، مطبوعہ ممبئی، صفحہ۴۷
۱۳......سورۂ مطففین:۲۲،۲۴
۱۴......سورہ نساء:۶۹
۱۵......سورۃ البینہ:۸
۱۶......سورہ مائدہ:۵۷
۱۷......سورہ احزاب:۲۲
۱۸......سورہ آل عمران:۱۱۳،۱۱۴
۱۹......مسلم شریف، کتاب الضعفاء و الخاملین، جلد۲، صفحہ۳۲۹
۲۰......مسند احمد، جلد۱، صفحہ۲۳۷/ نسائی، جلد۱، صفحہ۲۵۶/ بخاری شریف، جلد۲، صفحہ۹۶۱
۲۱......صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ۹۴۹
۲۲......تفسیر شیخ الاکبر، جلد۱، صفحہ۲۸۸
۲۳......تفسیر شیخ الاکبر، جلد۱، صفحہ۷/ فتوحات مکیہ، جلد۲، صفحہ۳۴۴/ اشعۃ اللمعات، جلد۴، صفحہ۱۳۴
۲۴......شیخ عبد الحق محدث دہلوی، تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ و التصوف، ترجمہ مخطوطہ از علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، صفحہ۶
۲۵......سورۃ الاحزاب:۴۱/ الرسالۃ القشیریۃ، مصر۱۹۴۰ء، صفحہ۱۱۰
۲۶......سورۃ الطلاق:۱/ سورۂ مائدہ:۲
۲۷......سورۂ بقرہ:۳۷/ الرسالۃ القشیریۃ، صفحہ۱۳۴
۲۸......سورۂ دھر:۸،۷
۲۹......سورۂ بینہ:۳۰/ سورہ فجر:۲۷،۲۸
۳۰......سورۂ رحمٰن:۱۲
۳۱......سورۂ رحمٰن:۱۲
۳۲......سورۂ احزاب:۶

۳۳......سورۂ زمر:۱/الرسالة القشیریة،صفحہ۱۰۴
۳۴......سورہ آل عمران:۱۹۱
۳۵......سورہ توبہ:۱۲
۳۶......سورۂ زخرف:۳۳،۳۵
۳۷......ترمذی شریف،صفحہ۳۳۷
۳۸......مسند امام احمد،جلد۵،صفحہ۴۲۷
۳۹......مسلم شریف،جلد۲،صفحہ۴۰۷
۴۰......مسند امام احمد،جلد۱،صفحہ۳۶۸
۴۱......سورہ کہف:۱۲
۴۲......سورۂ کہف:۱۱،۱۸
۴۳......سورۂ کہف:۲۱
۴۴......سورۂ کہف:۹
۴۵......شیخ عبدالحق محدث دہلوی،تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف،ترجمہ مخطوطہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری،صفحہ۱-۲
۴۶......ایضاً،صفحہ۲
۴۷......عبدالوہاب شعرانی،طبقات اولیاء،مطبوعہ مصر،جلد۱،صفحہ۱۳۱
۴۸......شہاب الدین سہروردی،عوارف المعارف،مصر،جلد۱،صفحہ۴۳
۴۹......عبدالوہاب شعرانی،الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر،جلد۱،صفحہ۱۳۹
۵۰......عبدالوہاب شعرانی،کتاب الیواقیت والجواہر،صفحہ۲۲
۵۱......امام غزالی،احیاء العلوم والدین،صفحہ۱۳
۵۲......عارف ریوگری،عارف نامہ،(ترجمۂ اردو قدیر محمد قریشی،کراچی)۱۹۹۷ء،صفحہ۹
۵۳......الطبقات الکبریٰ،صفحہ۴
۵۴......الطبقات الکبریٰ،صفحہ۲
۵۵......احمد سرہندی،مکتوبات،جلد۱،مکتوب نمبر۳۶،صفحہ۹۷،امرتسر ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
۵۶......شیخ عبدالحق محدث دہلوی،تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف،ترجمۂ اردو علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری،صفحہ۶
۵۷......عبدالغنی نابلسی،حدیقۃ ندیۃ،جلد۱،صفحہ۱-۱۳۰
۵۸......تقریظ بر انوار التجید فی ادلۃ التوحید،از مفتی محمد انوار اللہ،سابق مدیر المہام امور مذہبی،ریاست حیدر آباد دکن
۵۹......احمد رضا،امام،مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء،۱۳۲۷ء،مطبوعہ بزم قاسمی،کراچی،صفحہ۷
۶۰......الانفال:۳۴



کیا ماہِ صفر منحوس ہے؟

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ

ماہِ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہِ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ منحوس مانی جاتی ہیں اور ان کو ''تیرہ تیزی'' کہتے ہیں، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ حدیث میں فرمایا: ''صفر کوئی چیز نہیں'' یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔

اسی طرح ذی قعدہ کے مہینہ کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو ''خالی کا مہینہ'' کہتے ہیں، یہ بھی غلط ہے اور ہر ماہ میں ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو منحوس جانتے ہیں، یہ بھی لغویات ہیں۔

ماہِ صفر کا ''آخر چہار شنبہ'' ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث شریف کا یہ ارشاد:

لَا صَفَرَ --- ''صفر کوئی چیز نہیں'' ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔



انوار مثنوی

انیسویں قسط

درس مثنوی

مولانا ممتاز احمد چشتی

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا — ما چو مرغانِ حریص بے نوا
میرہانی ہر دمے مار را و باز — سوئے دامے میرویم اے بے نیاز
مادریں انبان گندم میکنیم — گندم جمع آمدہ گم میکنیم
مے بیندیشیم آخر ما بہوش — کایں خلل در گندم است از مکر موش
گر نہ موشے دزد در انبان ماست — گندم اعمال چل سالہ کجاست

ایک ظالم یہودی بادشاہ جو نصرانیوں کا سخت دشمن تھا، اس کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مختلف اصلاحی، تبلیغی اور معاشرتی موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں تا کہ حکایت کے ضمن میں سامعین اپنے کردار کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ ہوتے جائیں اور ایسے تمام امور سے احتراز کی کوشش کریں جو ان کے کردار کی تکمیل میں رکاوٹ بنتے ہیں اور ان تمام اوصاف کے حصول کے لیے جدو جہد کریں جو عظمت کردار کے لیے ضروری ہیں۔ یہ بجا ہے کہ انسان کی کوشش، محنت اور کارکردگی کو اس کی کامیابی میں گہرا دخل ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انسان کو تمام آزمائشوں سے نجات دلا کر منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اگر اس کی مہربانی شامل حال نہ ہو تو پھر کوشش اور محنت کی توفیق بھی نہیں ملتی اور انسان اپنی طاقت کے بل بوتے پر مقصود سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا میں انسان کے سامنے منزل مقصود کی راہ میں بہت سے موانع پیش آتے ہیں، بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اپنے طبعی تقاضوں، حالات کی نزاکت اور وقتی ضرورت کے پیش نظر ان کا ارتکاب کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے عارضی سکون و

اطمینان کا باعث ہوتے ہیں اور بعد میں پریشانی کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔ خیر و شر کی کشمکش میں انسان جب اپنے آپ کو شیطان کے وساوس اور مکر و فریب سے خطرے میں محسوس کرتا ہے تو فطری طور پر مناجات کی راہ اختیار کرتا ہے اور حقیقی محبوب کی بارہ گاہ میں عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انسان کی اسی کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے فرماتے ہیں:

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا　　ما چو مرغانِ حریص بے نوا

''الٰہی دنیا میں لاکھوں جال اور دانے ہمارے اردگرد پھیلائے گئے ہیں اور ہم حریص اور بھوکے پرندوں کی طرح ان میں گرفتار ہوتے ہیں''---

جس طرح پرندہ دانے کے لالچ میں آ کر جال میں پھنس جاتا ہے اور پھر چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے، اسی طرح انسان بھی خواہشات کے جال میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کی فطرت سلیمہ اسے نجات حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اب وہ بارگاہ رب العزۃ میں عرض کرتا ہے کہ الٰہی! ہم کیا کریں، ہمارے حرص اور لالچ کا یہ عالم ہے کہ جہاں بھی خواہشات کا دانہ نظر آتا ہے، ہم گرفتار ہو جاتے ہیں، اگر تو مہربانی نہ فرمائے تو ہم اس دام بلا سے کب نکل سکتے ہیں:

میرہانی ہر دمے مارا و باز　　سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

''اے بے نیاز! تو اپنے فضل و کرم سے ہر دم ہمیں ان پھندوں سے چھڑاتا ہے مگر پھر ہم کسی نہ کسی جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں''---

جب انسان کسی خواہش کے جال میں گرفتار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے، گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے اور آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہے مگر اس کے یہ عہد و پیمان کمزور ثابت ہوتے ہیں اور وہ عملی طور پر اپنی استقامت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ الٰہی! ہم گنہگار ہیں، ہمارا کام تو تیرے فضل و کرم پر موقوف ہے، تو ہی ہمیں ہر بار شیطان کے جال سے چھڑاتا ہے، اگر تو ہمیں ہمارے طریق کار پر چھوڑ دے تو ہم ہمیشہ گرفتار رہیں گے، اس لیے تیری بارگاہ میں ہم سوال کرتے ہیں کہ اپنا دائمی فضل و کرم ہمارے ساتھ شامل حال فرما تا کہ ہم نفسانی خواہشات کے جال سے محفوظ رہ سکیں:

مادریں انبان گندم میکنیم　　گندم جمع آمدہ گم میکنیم

''ہم اس تھیلے میں گندم جمع تو کرتے ہیں مگر جمع کی ہوئی گندم کھو بیٹھتے ہیں''---

قرآن مجید نے شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا ہے، وہ انسان کی بدخواہی میں کوئی کسر

باقی نہیں رکھتا، اس کی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ انسان نیکی کے قریب نہ جائے۔ اگر وہ نیک کام کرلے تو پھر شیطان یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی برباد ہو جائے۔ اس منصوبے کی کامیابی کے لیے شیطان انسان کو ایسے برے کاموں پر آمادہ کرتا ہے جن سے نیکیاں تباہ ہو جائیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الٰہی! ہم اعمال صالحہ تو بجالاتے ہیں مگر ان کے پاکیزہ اثرات اور نتائج نظر نہیں آتے۔ ہماری مثال اس شخص کی ہے جو محنت کر کے گندم سے تھیلا بھر ڈالے مگر کچھ دیر بعد اس کا تھیلا خالی ہو جائے جس طرح وہ پریشان حال ہوتا ہے اسی طرح ہم بھی حیران ہیں کہ ہمارے اعمال کا سرمایہ کہاں چلا گیا:

کایں خلل در گندم است از مکر موش   آخر ما بہوش   بیندیشیم   ے

"آخر ہم عقل و ہوش کے ساتھ غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ گندم کا نقصان چوہے کی وجہ سے ہوا ہے"---

گندم کے تھیلے تک چوہے کو پہنچنے کا موقع مل جائے تو رفتہ رفتہ وہ گندم کو ضائع کر ڈالتا ہے، چنانچہ اس کے نقصان سے بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر کی جاتی ہے۔ انسان کا سرمایۂ عمل بھی نفس اور شیطان کے چوہوں سے نقصان اٹھاتا ہے، جب غور کیا جائے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی خرابی اور نیکیوں کی تباہی کن عناصر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ شیطان اپنے مکر وفریب کے ذریعے انسان کو وساوس میں مبتلا کرتا ہے، نیکی سے متنفر کرتا ہے، برائی کو دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے اور نفس امارہ شیطان کی کارکردگی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے انسان کو گمراہی اور غفلت کے بھنور میں ڈال دیتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے، اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے، ورنہ گناہوں کی کثرت سے سیاہ نقطے زیادہ ہو جاتے ہیں اور بالآخر انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے، اب اسے خیر وشر کی تمیز نہیں رہتی، وہ نیکی کرے تو اس کا اچھا اثر محسوس نہیں کرتا اور برائی کرے تو اس سے ندامت محسوس نہیں کرتا۔ نفس اور شیطان کے پھندے میں گرفتار انسان کی حالت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

گر نہ موشے دزد در انبان ماست   گندم اعمال چل سالہ کجاست

"اگر ہمارے تھیلے میں کوئی چوہا چور نہیں ہے تو پھر چالیس برس کے اعمال کی گندم کہاں ہے"---

چالیس سال کا عرصہ، شباب گزارنے کے بعد انسان جب غفلت سے باز آتا ہے تو اپنے آپ کو سرمایۂ عمل سے خالی پاتا ہے، پھر وہ اپنے نفس سے محاسبہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ضرور کوئی ایسا چور ہے جو تیرے سرمائے کو برباد کر گیا ہے، اگر اس طرح نہ ہوتا تو پھر چالیس سال کے طویل عرصے میں کیے ہوئے اعمال کا روحانی اثر، نور فراست اور ذوق عبدیت کوئی نہ کوئی کرشمہ ضرور دکھاتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مؤثر انداز میں انسان کو نفس اور شیطان کے فریب سے بچ کر میدان عمل کی جدو جہد پر آمادہ کرتے ہوئے دعوت فکر دی کہ وہ اپنی حیات دنیوی کو سنوار کر دائمی اور ابدی نعمتیں حاصل کرے اور مقام انسانیت کی بلندی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کی عظمت کا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مثنوی معنوی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین



تعزیت

گزشتہ دنوں وابستگان دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

مولانا عبدالخالق شمس کے برادر اصغر، خطیب یورپ مولانا محمد طفیل اظہر، گھوڑے شاہ لاہور---

مولانا محمد طفیل نوری، عارف والا---

مولانا سردار علی نوری، کراچی کی پھوپھی صاحبہ---

علامہ محمد الیاس اعظمی، قصور کی خالہ جان---

مولانا قاسم علی نوری، منچریاں دیپالپور کی والدہ صاحبہ---

مولانا حافظ محمد شریف نوری، ماچھیوال کی اہلیہ محترمہ---

مولانا محمد حسن نوری محب حضور، ساہیوال کی ہمشیر---

مولانا نیاز احمد نوری، کھجور والا کی پھوپھی صاحبہ اور مشتاق احمد ناصر متعلم دار العلوم کی دادی صاحبہ---

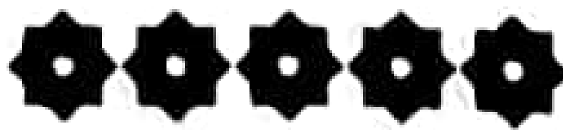
محترم میاں محمد زمان خاں وٹو، ڈھمی نزد بصیر پور کی والدہ محترمہ---اور

چودھری محمد حسن نوری اور چودھری محمد حسین نوری، بصیر پور کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین



انوار مثنوی

سترھویں قسط

درس مثنوی

مولانا ممتاز احمد چشتی

حس دنیا نردبان ایں جہاں — حس عقبیٰ نردبان آسمان

صحت ایں حس بجوئید از طبیب — صحت آں حس بجوئید از حبیب

صحت ایں حس ز معموریٔ تن — صحت آں حس ز تخریب بدن

شاہِ جاں مر جسم را ویراں کند — بعد ویرانیش آباداں کند

اے خنک جانے کہ بہر عشق حال — بذل کرد او خانمان و ملک و مال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احساس کی مختلف قوتیں عطا کی ہیں، جن کے ذریعے وہ دنیا اور آخرت کے امور کا ادراک کر سکتا ہے۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ حس ظاہری سے محسوس ہوتے ہیں اور بعض امور کا تعلق حس باطنی سے ہوتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کو ایک مثال دے کر سمجھایا کہ کھانا تناول کرتے وقت اگر کسی لقمے کے اندر تنکا ہو تو چبانے کے وقت انسان ضرور محسوس کر لیتا ہے۔ جس طرح ظاہری حیات کی قوت احساس اگر درست ہو تو معمولی سے تنکے کو محسوس کر لیتی ہے، اسی طرح جو لوگ معنوی حیات سے موصوف ہیں اور ان کا دل انوار الٰہی کا مرکز ہے، وہ اپنی باطنی حس کے ذریعے معنوی کمالات کا ادراک کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں احساس باطنی کی منزل تک رسائی نہیں، انھیں اہل معرفت کے باطنی کمالات کا انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس جوہر کامل کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذاتی تجربے کی بنا پر حقائق کا اعتراف کر سکیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کی جدوجہد کو اس کی کامیابی میں گہرا دخل ہے، جس نوعیت کی کوشش ہو مقصود بھی اسی قسم کا حاصل ہوتا ہے، جو لوگ حس دنیوی کو درست رکھنے

کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی تعمیر و ترقی کو اہمیت دیتے ہیں وہ دنیوی مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ حس باطنی کی درستی پر توجہ دیتے ہیں اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہیں، وہ معنوی کمالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ احساس کی ان دو مختلف قوتوں کے نتائج اور اثرات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حس دنیا نردبان ایں جہاں   حس عقبیٰ نردبان آسمان

''دنیا کی حس اس جہان کی ترقی کے لیے سیڑھی ہے اور آخرت کی حس آسمان کی سیڑھی ہے''---

احساس کی وہ قوتیں جو دنیا کے امور سے تعلق رکھتی ہیں، اہل دنیا کے لیے کامیابی اور ترقی کا ذریعہ ہیں۔ جس چیز کو اہل دنیا کامیابی خیال کرتے ہیں اور اپنی منزل مقصود سمجھتے ہیں، اس کا حصول تو حس ظاہری سے ہو جاتا ہے مگر وہ حقائق اور معنوی کمالات جو عالم بالا سے تعلق رکھتے ہیں ان کا حصول حس باطنی کا مرہون منت ہے۔ ہر کام کے نتائج اور اثرات اس کے اسباب اور ذرائع پر مترتب ہوتے ہیں، اس لیے حصول دنیا اس بات کی دلیل قرار پاتا ہے کہ ایسے آدمی کی جدو جہد کا دائرہ حواس ظاہری تک محدود ہے اور حصول عقبیٰ اس بات کا ثبوت قرار پاتا ہے کہ اس مرد مجاہد کی عملی جدو جہد حواس باطنی کی وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے:

صحت ایں حس بجوئید از طبیب   صحت آں حس بجوئید از حبیب

''جسمانی حس کی درستی کے متعلق طبیب سے پوچھو اور روحانی حس کی درستی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سے تلاش کرو''---

ایسے عوارض جو جسم کو لاحق ہوتے ہیں ان کا علاج جسمانی طبیب کے ذریعے ہوتا ہے اور وہ امراض جو روح کو لاحق ہوں تو ان کا علاج روحانی شخصیت کے ذریعے ہوتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ حس باطنی کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے توجہ دلاتے ہیں کہ امراض جسمانی کے علاج میں جس طرح طبیب کا رخ کیا جاتا ہے، اسی طرح روحانی امراض کے لیے کسی ایسے مقبول بندے کی صحبت اختیار کرو جو اپنے فیض باطن سے اصلاح اور تربیت کے ذریعے کایا پلٹ دے:

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند   آیا بود گوشۂ چشمے بما کنند

چوں کہ حس ظاہر اور حس باطن کی درستی پر ہی ان کے نتائج کا دارو مدار ہے، اس لیے مولانا

روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی صحت برقرار رکھنے کا مؤثر طریق کار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صحت ایں حس ز معموریٔ تن　　　صحت آں حس ز تخریب بدن

''ظاہری حس کی صحت بدن کی تن درستی سے ہے اور باطنی حس کی صحت بدن کو ریاضت کے ذریعے کمزور کرنے پر ہے''---

حس ظاہری اور حس باطنی دونوں کی درستی اور صحت کے مختلف اسباب اور ذرائع ہیں، نیز ایک کی ترقی اور قوت دوسری کے ضعف اور کمزوری کا باعث ہے۔ جن چیزوں سے جسم کی قوت میں اضافہ اور حواس ظاہری میں ترقی ہوتی ہے، ان سے روحانی قوت میں کمی آ جاتی ہے۔ کھانے پینے، آرام و آسائش کا عادی بننے سے اور دوسرے جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے سے روح انسانی کی لطافت پر گہرا اثر پڑتا ہے اور وہ معنوی کمالات کے حصول میں سرگرم عمل نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات بزرگان دین مختلف مجاہدات، عبادات اور ریاضات کے ذریعے جسمانی تقاضوں کو مغلوب کرتے ہیں اور روحانی کمالات کے لیے اپنی استعداد کو استوار کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کھانے، پینے اور سونے میں اعتدال کی اہمیت پر زور دیتے اور ہمیشہ عبادت اور ریاضت کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھتے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان ہی حقائق کے پیش نظر رغبت دلاتے ہیں کہ اگر باطنی کمالات کے حصول کا شوق ہو تو پھر ایسے اسباب اور ذرائع اختیار کرو جن سے یہ نعمت عظمیٰ نصیب ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا خوب فرماتے ہیں:

اندروں از طعام خالی دار　　　تا درو نور معرفت بینی

جب روحانی تقاضے جسمانی تقاضوں پر غالب آ جائیں تو بظاہر جسم کمزور معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں بے پناہ قوتوں کا امین ہوتا ہے۔ مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شاہِ جاں مر جسم را ویراں کند　　　بعد ویرانیش آباداں کند

''روح کا بادشاہ جسم کو ریاضت کے ذریعے ویران کر دیتا ہے، پھر ویرانی کے بعد اسے نور معرفت سے آباد کرتا ہے''---

اصلاح نفس اور تزکیۂ قلب کے لیے بزرگان دین ریاضت اور عبادت کی کثرت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس طرح روحانی کمالات کے حصول کے لیے ایک مؤثر طریق کار پیش کرتے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

ہیں۔ ابتدا میں اس طرح کرنے سے جسم کو ضعف اور کمزوری لاحق ہوتی ہے اور حس ظاہری کے لیے یہ امور ناگوار ہوتے ہیں، چنانچہ جسم اپنے تقاضوں میں زبردست کمی محسوس کرتے ہوئے ویرانی کی کیفیت سے ہم کنار ہوتا ہے مگر جس وقت باطنی کمالات اور انوار خداوندی کا حصول ہوتا ہے تو پھر جسم ضعف اور کمزوری کے باوجود ظاہری و باطنی دونوں قوتوں سے مالا مال ہوتا ہے، اب یہ جسمانی طاقت روحانی قوت کا عکس جمیل ہوتی ہے اور ظاہری اسباب کی احتیاج سے بلند و بالا ہو جاتی ہے۔

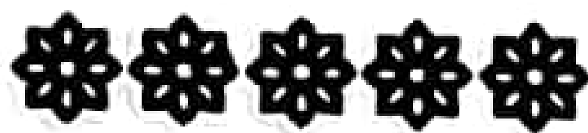
حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کئی مہینے لگاتار روزے رکھتے، کئی دنوں تک فاقہ برداشت کرتے اور عموماً معمولی سی غذا پر اکتفا فرماتے مگر بڑے سے بڑا پہلوان بھی آپ کے زور بازو کی تاب نہ لاتا۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکٹھے ہو کر ایک بڑے پتھر کو نہ توڑ سکے تو آپ ﷺ نے کدال کی ایک ضرب سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اے خنک جانے کہ بہر عشق حال　　　بذل کرد او خانمان و ملک و مال

"بہت مبارک ہے وہ جان جو ذوق محبت کے لیے گھر بار اور ملک و مال لٹا دے"---

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارباب صدق و صفا اور اہل محبت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی عملی جدوجہد اور عزم کی بلندی کا کیا کہنا، جنہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر سب کچھ قربان کر ڈالا، عشق و محبت کے ذوق لطیف سے اپنے دل کی دنیا کو آباد کیا اور حقیقی محبوب کا قرب حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مثنوی معنوی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین



وہ پوچھتے ہیں، ہمیں کیا ملا مدینے سے
کہو، کہ پایا ہے ہم نے خدا مدینے سے
ہر آن کیوں نہ کریں ذکر ہم مدینے کا
کہ ہم کو جو بھی ملا ہے، ملا مدینے سے

[خواجہ عابد نظامی]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

انوار مثنوی

سولھویں قسط

درس مثنوی

مولانا ممتاز احمد چشتی

گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست

وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر — شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

آں گل سرخ است تو خونش مخواں — مست عقل است او تو مجنونش مداں

گر بدے خونِ مسلماں کامِ او — کافرم گر بردے من نامِ او

ے بلرزد عرش از مدح شقی — بد گماں گردد ز مدحش متقی

نیک دل بادشاہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ غیبی طبیب کے مشورے سے اس زرگر کو بلایا گیا جس کی وجہ سے باندی بیمار تھی، پھر اسے ایسی دوا پلائی گئی جس سے وہ سخت کمزور ہو کر بالآخر چل بسا اور باندی شفایاب ہو کر بادشاہ کی خدمت میں رہنے لگی۔ بظاہر اس قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ قتل ناحق کا مرتکب ہوا اور انسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے خوف خدا کے تقاضوں کی پامالی کرنے پر آمادہ ہو گیا، مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بدگمانی اور اعتراض کو رفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست

"اگر حضرت خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑ ڈالا تھا تو درحقیقت ان کی شکست و ریخت میں سیکڑوں درستیاں کارفرما تھیں" -----

ظاہر پر نظر رکھنے والے باطن کے حالات سے بے خبر ہوا کرتے ہیں اور وہ ظاہر کو دیکھ کر ہی اپنی سمجھ کے مطابق حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ ہر مقام پر صرف ظاہری حالت کو مدنظر رکھنا کافی نہیں ہوتا۔ منافق ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے رہیں لیکن باطنی خبث کی بنا پر انھیں مسلمان نہیں کہا جائے گا،

مجبوری کی حالت میں مومن اگر دشمن کے خوف سے کلمۂ کفر کہہ دے پھر بھی مومن سمجھا جاتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ نِیَّاتِکُمْ -----

''اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور ارادوں کو دیکھتا ہے'' -----

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مضمون کی تائید میں اس قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کو توڑ ڈالا تھا، ظاہری طور پر اس کشتی کو توڑنا صریح ظلم تھا مگر اس کشتی کے توڑنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ اسے ٹوٹا ہوا دیکھ کر ظالم بادشاہ جو کشتیوں کو غصب کر رہا تھا اس کشتی کے درپے نہ ہوا اور بے کار سمجھ کر اسے رہنے دیا، اس طرح وہ کشتی مرمت کے بعد مسکینوں کے کام آتی رہی اور وہ اس سے بدستور فائدہ حاصل کرتے رہے۔ اگر وہ کشتی صحیح سلامت ہوتی تو ظالم بادشاہ اسے غصب کر لیتا اور مسکین ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جاتے۔ جس طرح کشتی کا توڑنا بظاہر نامناسب معلوم ہوتا تھا مگر حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھا، اسی طرح نیک دل بادشاہ کا زرگر کو قتل کرا دینا بھی درحقیقت قابل گرفت نہ تھا۔

وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر　　شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نور و ہنر سے آراستہ خیال بھی اسے سمجھنے سے حجاب میں رہا تو پھر تم پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو'' -----

حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی مرسل تھے اور حضرت خضر علیہ السلام سے رتبے میں افضل تھے۔ چونکہ آپ کی توجہ منصب نبوت و رسالت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مرکوز تھی اس لیے سرِّ تقدیر کے بعض جزوی امور آپ کو مستحضر نہ تھے، حضرت خضر علیہ السلام بعض امور کی مصلحت و حکمت کا علم رکھنے کی بنا پر کشتی توڑنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ خضر کیا تم اس طرح کشتی والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہو، جب حضرت خضر علیہ السلام نے حکمت خداوندی سے پردہ اٹھایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم رسول کا مقدس خیال جب رموز تقدیر اور سرِّ باطن سے حجاب میں رہا تو پھر اے مخاطب تم کس شمار میں ہو کہ علم و ہنر کے بغیر خدا کے مقبول بندوں پر اعتراض کرتے ہو۔ ادب کی راہ اختیار کرو اور نامناسب روش سے باز آ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ

تمہاری گستاخی اور بے ادبی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔ اس قرآنی واقعہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم خضری کو علم موسوی پر فوقیت حاصل تھی یا علم شریعت اور علم طریقت ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، بلکہ نبوت و رسالت کے علوم و معارف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بلند مقام پر فائز تھے اور شریعت پر عمل کرنے ہی کا نام طریقت ہے۔

آں گل سرخ است تو خونش مخواں — مست عقل است او تو مجنونش مداں

"وہ بادشاہ تو گلاب کا پھول ہے تم اسے خون نہ کہو، وہ عقل و فہم سے مست ہے تم اسے دیوانہ نہ سمجھو"-----

پھر نیک دل بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مخاطب! ظاہری صورت کو دیکھ کر حکم لگا دینا مناسب نہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی شکل و صورت آپس میں ملتی جلتی ہے مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ گلاب کے پھول کی سرخی دیکھ کر تم اسے خون پر قیاس نہ کرو بلکہ اس کی خوش بو اور لطافت کو دیکھو تا کہ تمہیں اس کی حقیقت کا پتا چلے۔ اسی طرح نیک دل بادشاہ کے ظاہر پر اعتراض نہ کرو، اس کے باطنی کمالات کو دیکھو تا کہ تمہیں اس کی حقیقت کا ادراک ہو۔ وہ تو عقل و فہم سے مالا مال ہے، تم اسے دیوانہ خیال نہ کرو، اگر بظاہر کوئی صاحب عقل و فہم کارخانۂ قدرت میں تفکر و تدبر کی بنا پر محو حیرت نظر آتا ہو تو اسے دیکھ کر یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دیوانوں کی طرح بے ہوش ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ کمال عقل کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے مصنوعات کے پردے میں صانع کی صنعت کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ایسی صورت میں حیرت و محویت سے کوئی چارہ نہیں۔ اہل ظاہر کو ان حقائق سے کیا واسطہ کہ وہ کسی کی باطنی کیفیت کا ادراک کر سکیں۔ حافظ شیراز فرماتے ہیں:

شب تاریک بیم موج گردابے چنیں ہائل — کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

گر بدے خونِ مسلماں کام او — کافرم گر بردے من نام او

"اگر مسلمان کا خون اس بادشاہ کا مقصد ہوتا تو تعریف کرنا بجائے خود، اگر میں اس کا نام بھی لیتا تو کافر ہو جاتا"-----

نیک دل بادشاہ کے کردار کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے محققانہ انداز میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ناحق قتل تو بہت بڑا جرم ہے اور پھر کسی مجرم کی تعریف کرنا جرم میں شرکت کے مترادف ہے اور تم جانتے ہو کہ میرا مسلک و مشرب تو عشق و محبت ہے، جس میں خلق خدا کی ایذا رسانی بہت بڑا گناہ ہے، بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ عشق و

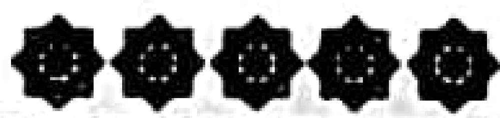
محبت کا دم بھرنے کے باوجود مسلمان کے قتل ناحق کو اہمیت نہ دوں، میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس بادشاہ کا مقصد خون ریزی ہرگز نہ تھی، ورنہ میں کبھی اس کی تعریف نہ کرتا، میرے نزدیک تو ظالم اور فاسق وفاجر کا نام لینا بھی ناگوار ہے۔

ے بلرزد عرش از مدح شقی بد گماں گردد ز مدحش متقی

بد بخت ظالم کی تعریف سے عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے اور اس کی تعریف سے نیک آدمی بدگمان ہوجاتا ہے" -----

حدیث پاک میں آتا ہے، جب فاسق فاجر کی تعریف کی جائے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتا ہے اور عرش خداوندی کا کانپنے لگتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، چونکہ بادشاہ نیک سیرت اور خدارسیدہ بزرگ تھا، اس لیے میں اس کی برملا تعریف کرتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ اچھے لوگوں کی تعریف وتوصیف اچھی چیز ہے، اس کے برعکس فاسق و فاجر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس کی تعریف کرنے والے پر اچھے بھلے لوگ بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ بھی موصوف کی طرح فسق وفجور میں مبتلا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیک دل لوگ تعریف کی وجہ سے فاسق وفاجر کو نیک گمان کرلیتے ہیں، حالانکہ یہ گمان درست نہیں ہوتا۔ بہرصورت بڑے لوگوں کی تعریف، خالق ومخلوق کے نزدیک ناپسندہ ہوتی ہے، اس لیے اس سے احتراز کرنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مثنوی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین



ملا، مولوی اور مولانا

عقیل احمد (پی ایچ ڈی سکالر)

کراچی یونی ورسٹی، کراچی

ہمارے عہد کی خاص باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص، ادارہ، نام، اصول، منصب وغیرہ کو اگر اچھا سمجھا جاتا ہے تو بغیر تحقیق کے سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح اگر کسی کو برا جانا جاتا ہے تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوتی، بس جو اچھا مشہور ہو گیا وہ اچھا اور جس کی شہرت برے کے طور پر ہو گئی، وہ برا۔ حقیقت حال کو نہ قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے، نہ عقل ومعاشرت کے اصولوں پر پرکھا جاتا ہے۔ ایسی فکر انسان کو فکر وتدبر جیسی روشن روش سے محروم کر دیتی ہے۔ بعض دفعہ ہم الفاظ کو برا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں، نہ اس کی معنویت پر غور کرنے کی زحمت کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے لغوی و اصلاحی معنوں کے بارے میں آگہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دورِ حاضر میں لفظ ''مولوی، مولانا'' کو اکثر وبیش تر بہت برا سمجھا جاتا ہے اور مولوی کا تصور آتے ہی تضحیک وتحقیر جیسے خیالات کا ذہن میں آنا اب عمومی رویہ بن چکا ہے۔ لغت کی کتب میں

لفظ مولوی کا جو معنی اور تشریح کی گئی ہے، حسب ذیل ہے:

مولوی

یہ عربی کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں:

❶ ......شرع اسلامی کا جاننے والا، عالم دین فقیہ ❷ ...... پابند شریعت، معلم، علماء کا لقب۔

مولوی گری

پڑھانے کا پیشہ

مولویت

مولوی ہونا، مولوی کا کام یا پیشہ۔ مولوی کی تانیث مولون ہے۔ اس ضمن میں ایک اور لفظ بولا جاتا ہے، وہ ہے ''مولانا''، اس کا معنی ہے، ہمارا مددگار، ہمارا مولا یا آقا، صاحب علم و فضل، علماء کا اعزازی خطاب۔

قرآن کریم میں لفظ مولانا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: ﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾ اسی طرح ایک اور لفظ بولا جاتا ہے ''ملا''، اس کا معنی ہے نہایت عمدہ لکھنے والا، عالم فاضل، مسجد میں نماز پڑھانے والا، بچوں کو پڑھانے والا۔

عربی کے بعد اگر فارسی ادب میں دیکھا جائے تو مولانا روم نے لفظ ''مولوی'' کو اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے اور انہوں نے اس کا مفہوم ''اللہ والا'' یعنی اللہ کے دوست اور ایک پاکیزہ انسان کے طور پر بیان کیا ہے۔

لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو مولوی کا مادہ ہے ''ولی''، اس سے بنا ''اَلْمَولَوِیُّ'' عام جو ہم بولتے ہیں اس لحاظ سے اس کا جو معنی لغات میں درج ہے، وہ یہ ہے، درویش، زاہد، بڑا مذہبی عالم۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریز برصغیر کے زیادہ تر حصہ پر قابض ہو گئے تو انہوں نے سب سے زیادہ خطرہ انہی مولویوں سے محسوس کیا اور برصغیر کے بڑے بڑے مشاہیر کو محبوس کر دیا یا موت کے گھاٹ اتار دیا، جس میں علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ کفایت علی کافی سر فہرست ہیں۔ انگریز کو یہ معلوم تھا کہ مسلمان حب رسول ﷺ اور جذبہ جہاد کی بات انہی مولویوں سے سن کر کرتے ہیں۔ لہٰذا انگریز نے مسلمانوں کو جہاں مکمل طور پر کمزور کیا، وہاں ان کے مذہبی پیشواؤں کا تقدس اور عظمت جو مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں راسخ تھی،

اس کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کیے۔

برصغیر میں مسلم حکومت کے زوال میں جہاں مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں ہیں وہاں ہندوؤں کی مکاریاں بھی شامل ہیں۔کسی بھی قوم کو ناکارہ کرنے کے لیے عموماً تین حربے استعمال کیے جاتے ہیں:

❶......سیاسی ❷......معاشی ❸......تعلیمی

انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھین کر پہلے انہیں سیاسی طور پر کمزور کیا پھر پورے برصغیر میں مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں کے حصول میں مشکلات اور تجارتی معاملات میں پیچیدگیاں پیدا کر کے ان کو معاشی طور پر کمزور کیا، ان کے بعد پورے برصغیر میں انگریز اپنا نظام تعلیم لے کر آئے، جس کی وجہ سے صدیوں سے رائج مسلم نظام تعلیم کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم نظام تعلیم (یعنی دینی مدارس) میں دینی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، فنی ہر طرح کے مزاج کے حامل افراد تیار ہوتے، جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنی استعداد کے مطابق خدمات سرانجام دیتے۔ اس نظام تعلیم میں مقرر معلمین جن کو ''مولوی'' کہا جاتا تھا، ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر صرف خدا کی رضا کے لیے مخلوق کی فکری اور عملی تربیت کرتے، ان کی خدمات کے پیش نظر خواص وعوام میں ان کی بہت عزت تھی۔تمام معاملات زندگی کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے لیے انہی ''مولوی'' حضرات کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، جو ان کی ہر طرح رہنمائی کرتے۔

انگریز کو سب سے بڑا خطرہ انہی ''مولویوں'' ہی سے تھا، کیوں کہ یہی لوگ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور فکر و عمل کی بہتری کی بات کرتے۔حب رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو راسخ کرتے ہیں۔انگریز کے پیش نظر دو اہم مقاصد ہیں:

❶ عوام الناس کو مولویوں سے دور کیا جائے، اس کے لیے دین کے بارے میں ایسے ایسے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا اظہار کیا جائے کہ دین پر عمل پیرا طبقے کو ''فرسودہ'' خیالات کا حامی تصور کیا جائے۔ ان کو ایسے ایسے مسائل میں الجھایا جائے جس کا تعلق نہ دین سے ہو، نہ معاشرت سے۔

❷ کچھ نام نہاد مسلمان ''مولوی'' کے روپ میں اس طرح پیش کیے جائیں جو اسلامی اقدار کا مذاق اڑاتے نظر آئیں۔ایسی تحاریر لوگوں کے سامنے لائیں جس سے مبادیات اسلامی پر زد پڑتی ہو۔فکر و عمل کی اس روش سے عوام مولوی سے نفرت کرنے لگیں۔اس کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھیں اور مولوی سے نہ صرف بلکہ لفظ ''مولوی'' ہی سے خار کھانے لگیں۔

ان دو مقاصد کے پیش نظر انگریزوں نے ہندوستان میں کچھ لوگوں سے روابط بڑھائے اور علمی، عملی اور معاشی طور پر کمزور ان لوگوں کو اپنے نظریات کا حامی بنا کر ادارے بھی کھول کر دیے اور فنڈ بھی فراہم کیے۔

انگریز دورِ حکومت میں جب مسلمانانِ برصغیر انتہائی پستی کی زندگی بسر کر رہے تھے تو اس دور میں تعلیمی پالیسیوں کے نام پر برصغیر میں مغربی علوم وفنون کو متعارف کروایا گیا۔ جس کے لانے والے لارڈ میکالے اور ورڈز ڈسپیچ تھے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو پس ماندہ، دقیانوس اور روایت پسند قرار دے کر قرآن وسنت سے دور کرنا تھا۔ انگریز کی تعلیمی پالیسیوں کو برصغیر میں خوش آمدید کہنے کے لیے پہلے ہی سے یہاں ''تنخواہ دار'' مولوی کے روپ میں موجود تھے، جنہوں نے ان پالیسیوں کو انگریز سرکار کی برصغیر پر مہربانی قرار دیا۔

اس کے علاوہ اس دور میں انگریز کا اپنا ایک خود ساختہ ''مولوی'' جو اُن کا تربیت یافتہ بھی تھا، منظر عام پر آیا، جس کو مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بعد میں انگریزوں کا یہ تراشیدہ مولوی ''نبوت'' کی کرسی پر بٹھا دیا گیا، اس کے شکنجے میں کئی ضعیف الاعتقاد لوگ پھنس گئے۔

دوسری طرف عوام کا دینی مدارس میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا رجحان ختم ہونے لگا تو مولوی (صحیح معنوں میں اہل علم اور اللہ والے) بیروزگار ہو گئے۔ انگریز نے ان میں سے بعض مولویوں پر ''بڑی مہربانی'' کی اور ان کو مختلف دیہاتوں میں امام وخطیب مقرر کیا اور ان کے لیے گاؤں کے چودھری اور دیگر صاحب ثروت لوگوں کی طرف سے گندم اور ضروریات زندگی کی چیزیں وظیفہ کی صورت میں مقرر کیں۔ یہ طریقہ ایک طرح سے اہل علم کے لیے مقام مرگ تھا، لیکن ''حی علی الصلوٰۃ'' کی صدا جاری رکھنے کی خاطر انہوں نے اس اذیت کو بھی برداشت کیا، لیکن اس دورِ انحطاط میں بھی برصغیر میں چند دینی ادارے ایسے تھے جن کی صورت حال قدرے بہتر تھی اور اظہار حق کی وجہ سے ان اداروں اور ان کے ناظمین کو بڑے جاں گسل حالات سے گزرنا پڑا۔

مسلمانوں کے مابین فرقہ واریت اور نفرت کی سوچ پھیلانے کے لیے انگریز نے اپنے ''تنخواہ دار'' مولویوں سے ایسی ایسی تحاریر لکھوائیں جو صریحاً اسلامی تعلیمات اور مقام رسالت ﷺ کے منافی تھیں۔ پھر ان عبارات کی ایسی بھونڈی تاویلیں کی گئیں کہ جس کو پڑھ کر مسلم عوام اپنے ہی دین کے بارے میں ذہنی خلفشار کا شکار ہو گئے۔ اپنی کتب میں صرف ایسی عبارات لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن وحدیث کی ایسی ایسی تفاسیر وشروحات کی گئیں جو قرآن وحدیث ہی کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھیں۔

جب دینی معاملات میں من مانی تاویلات کی گئیں اور بالخصوص حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر زبان درازی کی گئی تو فرقہ واریت کا پودا ایک تناور درخت بن گیا اور امت انتشار کا شکار ہو گئی۔ ان تمام باتوں کا ذمہ دار مولوی کو ٹھہرایا گیا اور لوگوں کی مولوی بلکہ لفظ مولوی ہی سے نفرت ہو گئی، بلکہ داڑھی، پگڑی، جو سنت رسول ہے، اس کو مولویت کی علامت سمجھ کر تنقید کی گئی اور لوگ داڑھی، پگڑی والے یا ٹوپی والے کو مولوی سمجھ کر اس کو دوسرے درجے کا شہری سمجھنے لگے اور اب تک یہی ہو رہا ہے (اِلَّا ما شاء اللّٰہ)۔ انگریز تو اپنی سکیم کامیاب بنا کر یہاں سے چلا گیا لیکن اس کی سکیم کو اب بھی کامیابی سے چلانے کے لیے اس کے ''نمک خوار'' ہر دور میں یہاں موجود رہے ہیں، جن کا کام ہی دینی شعار کا مذاق اڑانا ہے، دین داروں کو ہدف تنقید بنانا ہے۔ ان باتوں کا جب ان سے سبب جانا جائے تو وہ ''غلامانِ انگریز'' کہتے ہیں کہ مولوی ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ساتواں عشرہ شروع ہو چکا ہے۔ یہ ناچیز ان جہلا کی بات نہیں کرتا جنہوں نے مولویوں کا روپ دھار کر دین کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی، بلکہ ان کی بات کرتا ہے جو واقعی دینی علوم سے بہرہ ور ہیں، دین اور ملت کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ ان میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت نہ حاصل کی جائے، انجینئرنگ، زراعت اور تجارت میں جدید انداز نہ اپنائے جائیں، ملکی دفاع کے لیے اسلحہ ساز فیکٹریاں نہ بنائی جائیں، کبھی کسی مولوی نے کہا؟ بالکل نہیں۔ آج سے تقریباً چالیس برس قبل پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام شروع کیا تھا اور اب بحمدہٖ تعالیٰ پاکستان ایک ایٹمی قوت ہے، کسی مولوی نے کبھی اس کی مخالفت کی؟ پھر کیوں مولوی کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا جاتا ہے؟

بات دراصل کچھ ایسے ہے کہ جب کوئی بندہ کسی معاملے میں مولویوں سے فتویٰ (دینی معاملات میں رہنمائی) لینے جاتا ہے، تو دو باتیں ہیں:

۱ یا تو مولوی قرآن و سنت کے مطابق فتویٰ دے۔

۲ یا پھر آنے والے کی خواہش کے مطابق فتویٰ دے۔

مولانا صاحب فتویٰ عین قرآن و سنت کے مطابق دیں اور وہ پوچھنے والے کے خلاف ہو تو وہ ناراض ہوگا اور کہے گا کہ مولوی کی سوچ ''تحقیقی'' نہیں۔ میرے مسئلے کا کوئی شافی حل ان کے پاس موجود نہیں (عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) اور اگر پوچھنے والے کی خواہش کے مطابق فتویٰ دے دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے لیکن سننے دیکھنے والے کہیں گے کہ دیکھو جی! مولوی صاحب نے قرآن و سنت

کے مطابق فتویٰ نہیں دیا، دونوں طرف مولوی ہی برا کہا جائے گا۔

مولوی نے کبھی بھی مغربی علوم وفنون سے نہیں روکا، وہ صرف مغربی تہذیب وثقافت سے روکتے ہیں۔ مسلمانوں کا جب عروج تھا تو یونانی علوم وفلسفہ مسلمانوں کے پاس آیا۔ نادر کتب کے تراجم سے فائدہ حاصل کیا، لیکن ان کا کلچر (ثقافت) روایات اور زندگی گزارنے کے اصول نہیں لیے۔

اس طرح اہل مغرب ایک دور میں مسلمانوں کے پاس علوم وفنون سیکھنے جاتے، انہوں نے جوان کا مقصد تھا حاصل کیا، لیکن اسلامی کلچر نہیں اپنایا۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم نے دور جدید کے علوم وفنون میں تو مہارت حاصل نہیں کی، بس ان کا طرز حیات اپنالیا ہے۔ ترقی پذیر اقوام نے ہمیشہ ترقی یافتہ اقوام کے ترقی کے راز اور معاشرتی خوش حالی کے اصول سیکھے، جو کہ بری بات نہیں، لیکن معاشرتی خوش حالی اور معاشی انقلاب یا اصلاحات کے لیے اپنی شناخت وروایات کو فراموش کردینا کہاں کی دانش مندی ہے۔

مولوی اہل اسلام کی شناخت کو ہی برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ذرا ان متضاد رویوں کی بھی جھلک ملاحظہ کریں جو معاشرے میں مولوی کے ساتھ اپنائے جاتے ہیں۔ مولوی کی دین داری، اخلاص، للّٰہیت، عبادت، خدا خوفی، تبلیغ ودعوت، وعظ ونصیحت کی وجہ سے اب بھی لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور اس قسم کے اعلیٰ اقدار کے حامل مولوی حضرات کی معاشی ضروریات تک کا خیال رکھتے ہیں (ضروریات کا خیال رکھنے والے بہت قلیل ہیں) لیکن جہاں کہیں مولوی نے سود کے خلاف آواز بلند کی، جوا، شراب نوشی، بدکاری، لوٹ مار، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، عریانی وفحاشی، بھتہ خوری، دہشت گردی وتخریب کاری اور دیگر ایسے معاملات کے خلاف علم بلند کیا، جس سے دین نے منع کیا ہے تو وہی لوگ جو کل تک مولوی کے ہاتھ چومتے تھے، حضرت صاحب، حضرت صاحب کہتے نہیں تھکتے تھے، اب انہی لوگوں نے مولوی کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، کیوں کہ اب زد ان کے مفادات پر پڑی ہے۔ ناجائز ذرائع سے دولت کے جو انبار لگائے جارہے ہیں، عوام کا حق مار کر محلات کی تعمیر ہورہی ہے، یہ عیش وعشرت، یہ ٹھاٹ، یہ چال، یہ انداز، یہ کروفر، یہ فرعونی مزاج، یہ قارونی سوچ، سب کچھ ناجائز آمدنی کی وجہ سے تھا، اب جو مولوی نے اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے آواز حق کو بلند کیا ہے تو اب یہ ملک دشمن ہوگیا، یہ دقیانوسی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا ہے۔

عہد رسالت کا مکی دور ذرا چشم تصور کے سامنے لائیے کہ کفار مکہ اعلان نبوت سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو کتنا معزز ومکرم جانتے ہوئے آپ کو صادق وامین کہہ کر پکارتے تھے، لیکن جیسے ہی نبی کریم ﷺ نے اسلام کی نورانی اور حیات آفریں تعلیمات سے

لوگوں کو آگاہ کیا، ان کو ان کے حقوق کا احساس دلایا اور روٴسائے مکہ کو ان کی باطل فکر اور لوٹ مار کی روش سے باز آنے کی تلقین کی، تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے، کیوں کہ اب ان کے فرسودہ نظریات کا قلع قمع ہونا شروع ہو گیا اور ان کو اپنے سیاسی، معاشی اور سماجی مفادات ختم ہوتے نظر آنے لگے تھے۔
تقریباً اسی قسم کی صورت حال کا سامنا اب مولوی کو کرنا پڑ رہا ہے۔ ذرا کہیں سیاسی نظام کی خرابیوں، معاشی نظام کی لوٹ مار یا سماجی برائیوں کی نشان دہی کی تو مولوی کی مخالفت شروع ہو گئی۔

قیام پاکستان سے قبل مولوی کی مخالفت کا جو پودا لگایا گیا تھا وہ اب اتنا تناور درخت بن گیا ہے اور اس کے برگ و بار اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ ملازمت، رشتہ یا دیگر معاملات کرتے وقت مولوی کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو بات کی جاتی ہے کہ معاشرتی، فکری اور معاشی لحاظ سے مولوی بہت پیچھے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ این جی اوز (N.G.Os) جو یورپ اور امریکہ سے معاشرتی ترقی اور حقوق نسواں کے نام پر کروڑوں ڈالرز وصول کرتی ہیں، انہوں نے کبھی کوئی ایسا ایک بھی پروگرام شروع کیا ہے جو مولوی کی معاشرتی و فکری بہتری کے لیے ہو یا کوئی ایسا ادارہ ''اصلاح مولوی'' کے نام سے شروع کیا ہو یا اس کے علاوہ حکومتی و مقامی سطح پر کوئی ایسی تنظیم معرض وجود میں آئی ہو جنہوں نے اس نہج پر کام کیا ہو؟ ان تمام رویوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی سطح پر مولوی کو معاشی سطح پر کمزور کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ اس وقت پاکستان میں لیبر ریٹ (Labour Rate) یعنی ایک مزدور کی اجرت روزانہ کی تین سے چار سو روپے تک ہے، جب کہ ایک چپڑاسی کی تنخواہ چھ سے آٹھ ہزار، ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں کام کرنے والے بیرے (ویٹر) کی تنخواہ بھی پانچ سے آٹھ ہزار تک ہے۔ دوسری طرف ایک امام مسجد کی تنخواہ چار سے چھ ہزار تک، موذن کی تنخواہ تین سے چار ہزار تک اور خطیب کی تنخواہ چھ سے دس ہزار تک ہے۔ یہ عام صورت حال کی تفصیل ہے، کچھ علاقوں میں اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔

غور طلب مقام ہے کہ ایک مولوی (عالم دین) کی تنخواہ ایک مزدور کے برابر ہے اور تقاضا اس سے ہے کہ وہ غزالی و رازی کی طرح خدمت کرے۔

ایک حافظ قرآن کو قرآن حفظ کرنے میں تین سال کا عرصہ لگتا ہے، اس کے بعد قراءت و تجوید (قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کا کورس) اس پر تقریباً سال لگتا ہے، اس کے بعد اگر وہ حافظ عالم دین بننا چاہے تو اس کو درس نظامی (قرآن و سنت، فقہ اور عربی گرامر پر مشتمل ایک کورس کا نام) پر آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے اور آخر میں اگر مفتی کا کورس بھی شامل کریں تو اس کے لیے بھی چھ ماہ کا

عرصہ درکار ہے، تو ایک عالم دین نے دس سے بارہ سال کا عرصہ تعلیم حاصل کی، دن رات قال اللّٰہ و قال رسول اللہ ﷺ کا سبق حاصل کیا، اب جب وہ فارغ التحصیل ہو کر معاشرے میں نکلتا ہے تو (الا ماشاء اللہ) اس کو وہ جائز مقام نہیں ملتا اور نہ ہی کوئی ایسا عہدہ ملتا ہے جس کا وہ حق دار ہے، بلکہ اکثر بے جا تنقید اور برے القابات سے پکارا جاتا ہے۔ ملّا، ملوانہ، ملونڈہ، مسیتڑ، جمعراتیہ، حلوہ خور اور نجانے کن کن دل آزار الفاظ سے اللہ والوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان دل آزار جملوں، ہتک آمیز رویوں اور جائز مقام نہ ملنے کے باوجود بھی مولوی معاشرے کو کیا دیتا ہے، اس حوالے سے سابق صدر جنرل ایوب خان کے سیکریٹری اور مشہور بیوروکریٹ جناب قدرت اللہ شہاب اپنی مشہور زمانہ خودنوشت ''شہاب نامہ'' میں لکھتے ہیں:

''ایک زمانے میں ملا اور مولوی کے القاب علم و فضل کی علامت ہوا کرتے تھے، لیکن سرکار انگلشیہ کی عمل داری میں جیسے جیسے ہماری تعلیم اور ثقافت پر مغربی اقدار کا رنگ و روغن چڑھتا گیا، اسی رفتار سے ملا اور مولوی کا تقدس بھی پامال ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ یہ دونوں تعظیمی اور تکریمی الفاظ تضحیک و تحقیر کی ترکش کے تیر بن گئے۔ داڑھیوں والے ٹھوٹھ اور ناخواندہ لوگوں کو مذاق ہی مذاق میں ملا کا لقب ملنے لگا۔ کالجوں، یونی ورسٹیوں، دفتروں میں کوٹ پتلون پہنے بغیر دینی رجحان رکھنے والوں کو طنز و تشنیع کے طور پر مولوی کہا جاتا ہے۔ مسجدوں کے پیش اماموں پر جمعراتی، شبراتی، عیدی، بقرعیدی اور فاتحہ درود پڑھ کر روٹیاں توڑنے والے قل اعوذیئے ملاؤں کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔

لو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں نرم و گرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دور ہو یا نزدیک، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی، مسجدیں اسی ایک ملا کے دم سے آباد تھیں، جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑھا تھا اور دربدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور کہیں اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا،

اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی فنڈ تھا، نہ کوئی تحریک تھی، اپنوں کی بے اعتنائی، بے گانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا، اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔ یہ ملا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت وسالم و برقرار رہے اور جب سیاسی میدان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آبادی کے اعداد وشمار کی جنگ ہوئی تو ان سب کا اندراج مردم شماری کے صحیح کالم میں موجود تھا۔ برصغیر کے مسلمان اور پاکستان کے مسلمان خصوصاً ملا کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ جس نے کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی حد تک ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا" ---

قدرت اللہ شہاب کے اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اہل علم و دانش اور آواز حق بلند کرنے والے علماء کو قیام پاکستان سے قبل ہی تضحیک کا نشانہ بنایا جانے لگا۔

جدیدیت (Modernism) کی لہر جو مغرب میں سے چلی، اس نے مذہب واخلاق کی اعلیٰ اقدار کو پس پشت ڈال دیا اور زندگی کو پر تعیش (Luxirous) بنانے کے لیے نہ صرف مذہب واخلاق کے اصولوں کو توڑا بلکہ رشتوں کے تقدس کو بھی پامال کیا۔ یورپ و امریکہ جو جدیدیت کے علمبردار ہیں، وہاں کی اکثریت کو اگر مذہبی تناظر میں دیکھا جائے تو وہ عیسائی ہیں لیکن برتری کے خبط میں انہوں نے اپنے پادری (Priest) اور انجیل کے احکامات کی بھی پروا نہ کی۔ سود، جوا خانے، شراب خانے، عصمت فروشی (Prostitution) اور اس طرح کے دیگر امور جو حقیقی عیسائیت میں بھی حرام ہیں، کو قانونی طور پر جائز قرار دے کر اپنی جس طرح کی "برتری" ثابت کی ہے، اس سے مہذب مسیحی سکالرز بھی نالاں ہیں۔ پادری کو اجازت نہیں کہ وہ معاشرے میں ہونے والے لہو ولعب پر اعتراض کر سکے۔ اس کی ڈیوٹی صرف چرچ سروسز تک محدود کر دی گئی ہے۔ یہی طرز معاشرت یہاں پر سیکولر طبقہ چاہتا ہے کہ مولوی اپنی خدمات وخطبات صرف مسجد تک محدود رکھے اور معاشرتی معاملات میں دخل نہ دیں۔ یہی وجہ ہے جب کبھی مولوی حرام و باطل امور کے خلاف نوائے حق بلند کرتا ہے تو اس کو دقیانوس، انتہا پسند، رجعت پسند (Rigid) اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہہ کر چپ کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مشہور ادیب اور بیوروکریٹ جناب ڈاکٹر جمیل واسطی (مرحوم)

اپنی کتاب ''اسلامی روایات کا تحفظ'' میں لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانے میں مولویوں کے مقدس طبقہ کے متعلق بہت بے قابو ہذیان سرائی کی گئی ہے۔ داڑھا، تتبا، ملنفا، جمعراتیہ، حلوہ مانڈہ خور، گنبد نما، پگڑ پوش کے الفاظ استعمال کیے بغیران کا تذکرہ مشکل ہوگیا۔ مولوی قوم کو گمراہ کرتے ہیں، ترقی کے دشمن ہیں، قومی تنزل کا باعث ہیں وغیرہ۔ ہمیں احسان مندی سے یادرکھنا چاہیے کہ جب ہم نے غلط تشریح کے تحت یورپ سے عناصر قوت کے بجائے عناصر تہذیب وتمدن کو اختیار کرنا شروع کیا تو مولویوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور ہم نے ان کے اس جرم کی وجہ سے اپنی غلطی کو نہ پہچانتے ہوئے مولویوں کو ترقی کا دشمن گردانا، جب کبھی غلط تشریح کے تحت اسلامی روایات میں رخنہ اندازی ہوئی، ان مولویوں نے صدائے احتجاج بلند کی، یہ صرف مولویوں کے احتجاج کی بدولت ہے کہ مغربی تعلیم جو شروع میں مغربی مذہب کی تبلیغ سے متعلق تھی، آج ہمارے لیے صرف عناصر قوت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مقابلہ کے لیے یہ امر نظرانداز نہ کردینا چاہیے کہ ہندو قوم نے بہت سے فائدوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع میں مغربی تعلیم کو بلا احتجاج قبول کیا مگر اس عمل میں ہندو قوم نے آخری تین چوتھائی صدی میں تقریباً ایک کروڑ ہندو نذر کردیے، جو ہندوستانی عیسائی ہیں اور ''جاہل'' مولوی نے قوم کو اس سانحہ سے بچالیا۔ اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت تقریباً ساری قوم ان پڑھ ہوچکی تھی، صرف مولویوں کے تقدس کی روایات نے قوم کو انتشار سے بچائے رکھا۔ کروڑوں گنوار مسلمان صرف بچے کا نام تجویز کرالیتے تھے اور غالباً اس اسلامی نام کے سوا ان کے پاس اسلام کا اور کوئی نشان نہ ہوتا تھا۔ آج ہم ان ناموں کی بدولت اس قوم کو مسلمان کہتے ہیں۔ آج بھی ہزاروں مساجد کے تاریک حجروں میں رہنے والے دلق پوش مولوی رات کو گھر گھر بھیک مانگنے جاتے ہیں اور کتے ان پر بھونکتے ہیں اور ان کی عورتیں ہمسایوں کی چکیاں پیس کر مزدوری کرتی ہیں اور چیتھڑوں سے تن ڈھانپتی ہیں (ڈاکٹر صاحب نے غالباً یہ نصف صدی قبل کی صورت حال کا ذکر کیا ہے) یہ سلوک ہے جو قوم ان لاکھوں مولویوں سے کرتی رہی ہے، جنہوں نے غربت اور کسمپری کی حالت کے باوجود ہماری نسلوں کو مسلمان رکھا اور جن کے بغیر علاقوں کے علاقے دائرۂ اسلام سے خارج ہوچکے ہوتے''۔۔۔

قیام پاکستان سے قبل نہ صرف عیسائی مشنریوں نے تہذیب وآگہی کی آڑ میں مسلمانوں کے قلب وفکر کو "روح محمد ﷺ" سے آزاد کرنے کی کوشش کی، بلکہ ہندوؤں نے بھی "شدھی اور سنگٹھن" جیسی تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی سعی کی، جس کو علمائے حق کی مساعی جمیلہ سے ناکام کردیا گیا۔ مولویوں کی مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے معروف صحافی اور کالم نگار عبدالقادر حسن، روزنامہ جنگ کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء میں لکھتے ہیں:

"برصغیر پاک وہند میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ایک کافر قوم کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں کے دین کو بچانے کے لیے "مولوی" نے جہاد بھی کیا اور مدرسوں پر بھی توجہ دی۔ یہی وہ مولوی اور ان کے دینی مدرسے تھے جس کی وجہ سے آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کو ایک دین اور زندگی کا نظام سمجھتے ہیں۔ اگر یہ مدرسے نہ ہوتے، اگر یہ مولوی نہ ہوتے، ہم اور کچھ تو ہوتے یا نہ ہوتے مسلمان نہ ہوتے اور ایک طرف ہندو اور دوسری طرف انگریز ہمیں ختم کرچکے ہوتے اور ہم نہ جانے کیا ہوتے، ہمارا کوئی الگ تشخص نہ ہوتا"---

ارض مقدس کے سیاسی فرعونوں کو جب بھی کسی آستانہ حسینی کے دریوزہ گر نے للکارا تو جواب میں ان اللہ والوں پر الزامات کی بوچھاڑ کردی گئی اور انہیں انگریزوں کا ایجنٹ، وظیفہ خوار، خوش حال نظام میں رکاوٹ اور نجانے کیا کیا کہا گیا۔ الزام لگانے والے شاید بھول گئے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے لیے ان سیاسی ناخداؤں اور مولویوں کا کیا کردار رہا؟ اس حوالے سے طرح دار، لکھاری، شستہ، شائستہ، برجستہ اور حقیقت سے بھرپور تحریر کو صفحہ قرطاس کی زینت بنانے والے خورشید صحافت، صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم اپنی کتاب "قلم برداشتہ" میں لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا تحریک پاکستان، دونوں مواقع پر انگریز کی جیلوں میں کون تھے اور انگریز کے جوتوں میں کون "تشریف فرما" تھے؟ جزیرہ انڈیمان میں کس کا جنازہ لوگوں کے کندھوں پر تھا اور کون انگریز کے جوتے سروں پر رکھے ہوئے تھا؟ کون جلیانوالہ باغ میں گولیاں کھا رہا تھا اور کون اس وقت انگریز کے کتے نہلا رہا تھا؟ کون اپنے جسم پر گرم استری پھروا رہا تھا اور کون انگریز سے پیمان وفا باندھ رہا تھا؟ اس خطے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ جیلوں میں سڑنے والے، زندانوں کو آباد کرنے والے،

جیل سے جنازہ اٹھوانے والے، جنرل ڈائر کی گولیاں کھانے والے اور گرم استری پھروانے والے یہی ''ملا'' تھے اور فرنگی کے چرچوں میں بیٹھنے والے، انگریزی دستر خوان کی ہڈیاں چچوڑنے والے، انگریز کے جوتوں کو سر کا تاج سمجھنے والے، انگریزوں کے کتے نہلانے والے اور انگریزوں سے پیمانِ وفا باندھنے والے جاگیردار تھے، جو آج ملک کے وارث، ملکی خزانے پر قابض اور ''ملاؤں'' کو بے نقط سنانے والے بنے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ آپ ملا کو ''بھک منگا'' کہہ سکتے ہیں، تاہم اس نے خدا اور رسول ﷺ کے نام پر بھیک مانگی ہے۔ انگریز کے دربارِ عالی میں جھولی نہیں پھیلائی، بے دریغ آپ ملا کو غریب اور نادار کہیں مگر اس نے غربت میں غیرت نیلام نہیں کی اور ناداری میں اپنی وفاداری نہیں بدلی۔ بے شک آپ ملا کو مفلسی کا طعنہ دیں مگر اس نے وائس رائے کے دربار میں کرسی حاصل کرنے کے لیے کبھی درخواست نہیں کی۔ انگریز کی عنایات ہوں یا سی آئی اے کے فنڈز، امریکہ کی نوازشات ہوں یا برطانیہ کی کرم فرمائیاں، ان سب کا مستحق وہ طبقہ رہا ہے جن کے سینوں پر آج بھی تمغے سجے ہوئے ہیں۔ لاہور کے ممدوٹ ہوں یا قزلباش، کالا باغ کے نواب ہوں یا مظفر گڑھ کے گورمانی، اٹک کے کھکو ہوں یا گوجرانوالہ کے چٹھے، سبھی پروردگانِ آغوشِ فرنگ ہیں'' ---

جب کبھی ملا یا مولوی کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، ساتھ ہی دینی مدارس کو بھی رگیدا جاتا ہے، یہاں کی تعلیم میں یہ نقص ہے، یہ خرابی ہے، یہ روشن خیالی سے دور کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ سب جانتے ہیں کہ دینی مدارس میں قرآن وسنت ہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تعلیم کی بدولت مسلمانوں نے تین براعظموں پر حکومت کی ہے، اسی تعلیم کے فضلاء کی محبت آج بھی دلوں میں بسیرا کیے ہوئے ہے۔ جب سے اس تعلیم سے امت دور ہوئی ہے، نہ ان کی دنیا میں حکومت رہی اور نہ دلوں میں۔ کیوں کہ حقیقی کامرانی اسی میں ہی ہے۔

اس حوالے سے معروف صحافی اور کالم نگار عرفان صدیقی لکھتے ہیں:

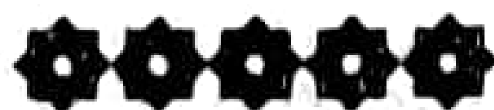
''یہ مدارس مثالی نظام امتحانات رکھتے ہیں، جسے مرکزی سطح پر کنٹرول کیا جاتا ہے اور جس میں بوٹی مافیا کا نام ونشان تک نہیں۔ عصری ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اپنے نصاب میں تبدیلیاں لانا معمول کی ایک مشق ہے۔ ستر فیصد کے لگ بھگ دینی مدارس

مروّجہ علوم بھی پڑھا رہے ہیں اور اکثر میں تو کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ یہ ادارے لاکھوں نادار بچوں کے کفیل بھی ہیں اور ناخواندگی کے سیلاب کو روکنے کا ذریعہ بھی۔ میدان مدارس کے منفی اور مثبت پہلو کی تفصیل میں جائے بغیر اتنا جانتا ہوں کہ وطن عزیز کی لاکھوں مساجد ان کے دم سے آباد ہیں۔ معاشرے میں دینی اقدار کی کارفرمائی ان کی مساعی ہے۔ پانچوں وقت ملک کی فضاؤں میں بکھرنے والی اذانوں کی مشکبو گونج انہی مدارس کی عطا ہے اور دلوں کو دائمی راحتیں بخشنے والے کلام الٰہی کی پرسوز قراءت ان ہی مدارس کا فیضان ہے۔ کچے گھروندوں میں فروکش ان بوریا نشینوں کو نہ چھیڑیے جو آپ سے کچھ نہیں مانگتے، صرف دین حق کی اشاعت کا حق چاہتے ہیں، برقی قمقموں کی چکاچوند سے متاثر ہو کر مٹی کے ان دیوں کو نہ بجھایئے، جن کی ٹمٹماتی لو میں ہماری صدیوں کی روایات دمک رہی ہیں'' --- [روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۲۵ جولائی ۲۰۰۲ء]

مولوی کو برا کہنے والے شاید یہ بھول گئے کہ اس ارض مقدس میں سیاسی، معاشی، عدالتی اور سماجی بحرانوں کے پیچھے کون کون سے طالع آزما تھے۔ کن ''ہستیوں'' نے کئی بار ملک کے آئین کو توڑا، کن ''سورماؤں'' کی مے نوشی اور ضد کی وجہ سے ملک دولخت ہوا، کون سے ''مجاہد'' مارشل لاء نافذ کرنے والے تھے، کون سے ''عوامی لیڈر'' سرخ انقلاب کے ذریعے کارل مارکس اور لینن کے معاشی نظریات اس اسلامی جمہوریہ پر نافذ کرنا چاہتے تھے۔ روٹی، کپڑا، مکان کا جھانسہ دے کر کن ''روشن ضمیروں'' نے قوم کو ان بنیادی ضروریات سے محروم کیا۔ کن ''خدام وطن'' کے بیرون ملک کاروبار اور کارخانے ہیں، کن ''شہیدان وطن'' کے سوئس بنکوں میں ستانوے ارب ڈالر موجود ہیں۔ لندن کے مشہور پوش علاقے ''ایجوررڈ روڈ'' میں کن ''مسکینوں'' کے فلیٹ اور محلات ہیں۔ کس مرد آہن کا فرانس میں تاریخی محل ہے۔

ان سب کارناموں میں مولوی کہیں نظر نہیں آتا، ہاں داڑھی پگڑی والے ضرور ہوں گے، لیکن وہ اللہ والا، جس کی نظریاتی سرحدیں دار ارقم اور صفہ سے ملتی ہیں، وہ قوم کے ان مہربانوں کے ان کارناموں سے ہمیشہ دور ہی رہے گا کیوں کہ:

میری زندگی کا مقصد، تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی



مجرباتِ امام احمد رضا

از افادات: امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری عالم دین ہونے کے ساتھ عظیم روحانی پیشوا بھی تھے، آنکھوں کی روشنی کے حوالے سے امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیم کردہ بعض مجربات پیش کیے جاتے ہیں---

آنکھوں کی روشنی

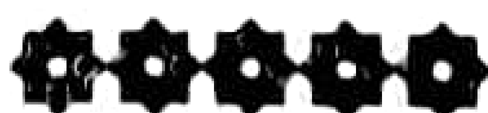
عرض: حضور! میری آنکھوں کی روشنی بہت کم ہے؟

ارشاد: ❶ آیۃُ الْکُرْسِی یاد کر لیجیے؛ ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھیے، نمازِ پنجگانہ کی پابندی رکھیے اور عورتیں کہ جن دنوں میں انہیں نماز کا حکم نہیں وہ بھی پانچوں وقت آیۃُ الْکُرْسِی اس نیت سے کہ اللہ (عزوجل) کی تعریف ہے نہ اس نیت سے کہ کلام اللہ ہے، پڑھ لیا کریں اور جب اس کلمہ پر پہنچیں وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُهُمَا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پر رکھ کر اس کلمہ کو گیارہ بار کہیں، پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیں۔

❷ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نور نور نور نور نور

سفید چینی کی تشتری (یعنی پلیٹ) پر اسے اسی طرح لکھیں کہ واؤ اور میم کے سر کھلے رہیں، آبِ زمزم شریف اور نہ ملے تو آبِ باراں (یعنی بارش کا پانی) اور نہ ملے تو آبِ جاری اور نہ ملے تو آبِ تازہ سے دھو کر دو سو چھپن بار اس پر یَا نُوْرُ پڑھ کر دم کریں، اوّل و آخر تین تین بار یہ درود شریف اَللّٰهُمَّ یَا نُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی نُوْرِكَ الْمُنِیْرِ وَ آلِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ یہ پانی آنکھوں پر لگائیں اور باقی پی لیں۔ [بشکریہ ماہنامہ معارف رضا، کراچی]



زیارات ترکی

تیسری قسط

پیر رومی کی بارگاہ میں

افتخار احمد حافظ

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک کے قریبی وسیع و عریض قبرستان میں سلسلہ مولویہ کے کئی اہم بزرگان کی قبور مبارکہ ہیں، بلکہ اب بھی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے کہ وہ جہاں کہیں فوت ہوں ان کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قریب دفن کیا جائے۔ ۳۲ ویں چلپی ڈاکٹر جلال الدین بکر چلپی کا ۱۳/اپریل ۱۹۹۶ کو استنبول میں وصال ہوا، لیکن ان کے جسد خاکی کو شریف لا کر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قریب اسی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے مزار مبارک پر بھی فاتحہ پڑھی اور قبرستان سے باہر آ کر اس علاقے کی زیارت کی جہاں کسی زمانے میں حضرت شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دکان ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد شیخ نادر صاحب فرمانے لگے کہ آپ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مہمان ہیں، میں آپ کو اپنی گاڑی میں قونیہ شریف کی دوسری اہم زیارات کروا دیتا ہوں، چنانچہ ان کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر قونیہ شریف کی دوسری زیارات کے لیے چل پڑے۔

زیارت شیخ صدر الدین قونوی

سب سے پہلے حضرت شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور باہر سے ہی فاتحہ پڑھا۔ آپ کے مزار مبارک کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی قبرِ انور پر چھت نہیں ڈالی جا سکتی، اس وقت بھی گنبد کی جگہ لکڑی کا ایک جال نصب ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بہت احترام کیا کرتے تھے، آپ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید خاص اور ان کی تصانیف کے مفسر و شارح بھی تھے، اپنے علمی مقام کی وجہ سے بلادِ روم و شام میں آپ مرجع خاص تھے۔ شیخ

صدرالدین قونوی وہ شخصیت ہیں کہ جب حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا تھا کہ آپ کی نمازِ جنازہ کون پڑھائے گا؟ تو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا:

''اگرچہ تمام اکابر علماء و قضاۃ کی خواہش ہوگی کہ میری نماز پڑھائیں لیکن میرے نزدیک سب سے اولین شخصیت شیخ صدرالدین قونوی ہیں''---

حضرت شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لانگری، آتش بازولی کی زیارت کے لیے گئے، آپ کی قبر مبارک ایک تہ خانہ میں ہے، اور پرخوب صورت گنبد بنا ہوا ہے، سلام پیش کیا اور فاتحہ کے بعد اس مقام پر حاضری دی جہاں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کبھی کبھار جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس علاقے کو ''میرم'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک قبرستان میں سلسلہ مولویہ کے شیخ حضرت سلیمان حیاتی اور شیخ نادر صاحب کے والدِ ماجد کی قبر پر فاتحہ خوانی کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد طاؤس بابا اور دوسری زیارات کیں اور ہوٹل پہنچ گئے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا، اس کے بعد بندہ نے اپنی تصنیف ''زیاراتِ مقدسہ'' عطر اور تسبیح کا تحفہ شیخ نادر صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور شکریے کے ساتھ ان کو رخصت کیا، کچھ دیر کے بعد حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑے۔

سلطان الفقراء حضرت مولانا شمس الحق والدین التبریزی

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی مبارک کا دوسرا اہم دور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے، یہ واقعہ مولانا روم کی زندگی کا سب سے اہم اور بڑا واقعہ ہے، لیکن کتب تاریخ میں اس ملاقات کے بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اصل واقعہ تک پہنچنا نہایت مشکل ہے۔ صرف ایک روایت جو زیادہ مشہور ہے، اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حوض کے کنارے درس و تدریس میں مصروف تھے، سامنے کئی قدیم قلمی کتب رکھی ہوئی تھیں، شمس تبریزی اس طرف آنکلے اور مولانا روم سے پوچھا:

''این چیست؟''--- ''یہ کیا ہے؟''---

مولانا روم نے جواب دیا:

''این قال است کہ شُما نمی دانی''---

''یہ قیل و قال ہے، تم کو اس سے کیا غرض؟''---

حضرت شمس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتابیں اٹھا کر حوض میں پھینک دیں، اب مولانا پریشان

ہوئے اور کہا کہ اے فقیر تم نے یہ کیا کر دیا، یہ تو ایسا ذخیرہ تھا جواب کسی طور نہیں مل سکتا۔ حضرت مولانا کی یہ گریہ وزاری دیکھ کر حضرت شمس نے حوض میں ہاتھ ڈالا اور ایک ایک کر کے ساری کتابیں پانی سے باہر نکال دیں۔ جب حضرت مولانا نے دیکھا کہ یہ کتابیں تو بالکل خشک ہیں اور ان میں پانی کیا کہیں نمی تک کا بھی نام ونشان نہیں، تو مولانا پر سخت حیرت طاری ہوگئی۔ حضرت شمس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو حضرت شمس نے جواب دیا:

"این حال است کہ شما نمی دانی"---

"یہ عالمِ حال ہے، تم کو اس سے کیا غرض"---

مولانا روم نے پوچھا:

"مجھے یہ حال کیسے حاصل ہوگا؟"---

اس درویش نے کہا:

"اسے حاصل کرنے کے لیے کسی صاحب حال کا بننا پڑے گا"---

مولانا روم کی تو دنیا بدل چکی تھی، حضرت شمس کے قدموں میں گر پڑے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس درویش کے ہو کر رہ گئے، جس کی ایک نگاہ نے مولوی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقام پر فائز کر دیا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اس سفر قال سے سفر حال کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شُد

اس درویش عظیم کا مزار مبارک بھی قونیہ شریف میں ہے اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے، ساتھ ہی مسجد شمس تبریزی ہے اور مسجد کے ایک کونے میں آپ کا مزارِ پُر جلال نظر آتا ہے۔ آپ کی خدمتِ اقدس میں دست بستہ سلام پیش کیا، اسی اثناء میں مغرب کی اذان ہوگئی، نمازِ مغرب با جماعت ادا کر کے امام صاحب سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ ہم پاکستان سے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک کے لیے ایک چادر بنوا کر لائے ہیں اور وہ چادر اب پیش کرنا چاہتے ہیں، پہلے تو امام صاحب نے فوری انکار کر دیا کہ ایسا ممکن نہیں، کیوں کہ مجھے اوپر سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، پھر جب میں نے امام صاحب کو بتایا کہ استنبول میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر بھی ہم نے چادر کا تحفہ پیش کیا ہے، آپ ہمیں اجازت دیں۔ اب حضرت ابوایوب

انصاری ﷺ اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تصرف خاص کہ اگلے لمحہ ہی امام صاحب نے ہمیں آپ کے مزار مبارک پر چادر پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ سو ہم نے امام صاحب کی معیت میں آپ کے مزار مبارک پر چادر پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد مختصر محفل کے بعد دعا کی اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کو باادب سلام پیش کیا اور امام صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہوئے مسجد سے باہر آ گئے۔

قارئین! جہاں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک پر جمال ہی جمال نظر آتا ہے، وہاں حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر جلال ہی جلال نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا روم اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی صحبتوں اور روحانی محافل کا ذکر کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا، مسجدِ سلیمیہ میں نمازِ عشاء ادا کی، حسب معمول امام صاحب سے ملنے کے بعد ہوٹل آ گئے اور صبح حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک پر حاضری کا پروگرام طے کر کے سو گئے۔

خصوصی حاضری کا شرف

20/جولائی 2004ء کو ہم تیار ہو کر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے میوزیم کے باہر پہنچ گئے، باہر سے ہی سلام پیش کیا، 8 بج کر کچھ منٹ پر نائب مدیر صاحب تشریف لے آئے اور ہمیں خصوصی طور پر اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ فوری طور پر ایک شخص کو بلوا کر مرکزی دروازہ کھلوایا اور ہمیں ساتھ لے کر اندر چلے گئے، تمام لائیٹوں کو روشن کیا اور مزارِ مبارک چمکنا شروع ہو گیا۔ ہم اپنی قسمت پر ناز کر رہے تھے کہ ہم تو کسی قابل نہیں لیکن حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کس طرح میزبانی فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک کے لیے دو چادریں تھیں جو ہم نے ان کو پیش کیں کہ بے شک ان کو صرف چند منٹوں کے لیے مزارِ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر پیش کر کے اتار لیں۔ اس وقت کی کیفیات بیان سے باہر ہیں کہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزارِ مبارک، ہم اور نائب مدیر۔ دو چادریں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش کیں، ایک چادر شیخ صلاح الدین زرکوب کے مزارِ مبارک پر پیش کی، ایک چادر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محبوب خلیفہ وسجادہ اولین شیخ حسام الدین چلپی کی خدمت میں پیش کی اور ایک چادر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محبوب پوتے (تیسرے سجادہ نشین) شیخ اولو عارف چلپی کی خدمت میں پیش کی، اس کے بعد نائب مدیر صاحب کی ہدایت واجازت کے مطابق ہم نے محفلِ نعت شروع کی۔ ابتداء حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

تعالیٰ علیہ کی مشہورِ زمانہ رُباعی "بلغ العلٰی بکمالہ" سے کی، پھر قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار، حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعت:

یارسول اللہ ﷺ حبیبِ خالقِ یکتا توئی

حضور غوث پاک کی منقبت:

تری ذات ہے بے شک لاثانی یاغوث الاعظم جیلانی

پھر مثنوی کے منتخب اشعار بآوازِ بلند بارگاہِ رومی میں پیش کیے، پھر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا اور سلام کے چند اشعار حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھی پیش کیے، تین اشعار درج ذیل ہیں:

السلام اے حضرتِ والائے روم	السلام اے ہادی و مولائے روم
السلام اے واقفِ سرِ نہاں	السلام اے رازدانِ کُن فکاں
بشنو از لُطف و کرم فریادِ من	کُن طفیلِ شہ شمس امدادِ من

پھر بیٹھ کر مسنون ختم شریف پڑھا، دعا کی، اپنی حاضری اور دوست احباب کی اس مقامِ مقدس پر حاضری کے لیے دعا کی اور جب گھڑی دیکھی تو نو بجنے میں پانچ، سات منٹ باقی تھے۔ اسی اثناء میں نائب مدیر صاحب تشریف لے آئے، تمام مزارات سے چادریں اٹھائیں، یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہماری بچیوں کے ہاتھ سے بنی چادریں ان مقاماتِ مبارکہ پر چار پانچ منٹ سے زائد وقت کے لیے پڑی رہیں۔ الحمد للہ اولہ و آخرہ

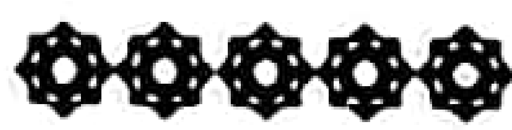
ٹھیک پانچ منٹ بعد میوزیم کے تمام دروازے کھل گئے اور ایک ہجوم اندر داخل ہوگیا، ہم پیچھے ہٹ گئے تاکہ دوسرے لوگوں کو حاضری کا موقع ملے۔ تبرکات مبارک والے ہال میں داخل ہوئے، زیارت کی، پھر حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں سلام اور شکریہ پیش کرتے ہوئے باہر آ گئے۔

نائب مدیر صاحب کے دفتر میں جا کر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنے کے بعد باہر آ کر دوسرے بقیہ مقامات کی زیارت کے لیے چل پڑے۔ سب سے پہلے مسجد علاؤ الدین کی زیارت کی، اس مسجد کا قونیہ شریف کی قدیم مساجد میں شمار ہوتا ہے، اس کی اولین تعمیر سلطان علاؤ الدین کیقباد نے کروائی، یہ مسجد پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، اس کے تھوڑے فاصلہ پر قلیچ ارسلان کی مسجد دیکھی، جو اب ویران اور متروک ہو چکی ہے، اس مسجد کے ساتھ ہی ایک قدیم عمارت میں آٹھ سلجوقی بادشاہوں کی قبور ہیں، ان سب بادشاہوں کے لیے دعائے مغفرت کی اور ہوٹل پہنچ گئے۔

تاریخی شہر "لارندہ" جس کو کرامان کہا جاتا ہے، قونیہ شریف سے تقریباً ۱۱۵ رکلومیٹر کے فاصلہ

پر واقع ہے، حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے حضور سلام پیش کرنے کے لیے بروز بدھ، ۲۱ر جولائی ۲۰۰۴ء، ناشتہ کے بعد سب سے پہلے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں سلام پیش کیا، پھر ایک لوکل بس میں سوار ہو کر قونیہ شریف کے بس اڈے پر کرامان جانے کے لیے پہنچ گئے۔ قونیہ شریف کا بس اسٹینڈ تمام جدید سہولیات سے آراستہ و قابل دید ہے، بس اڈے کی بجائے ائر پورٹ کا گمان ہوتا ہے، مختلف کمپنیوں کے دفاتر بھی اندر بنے ہوئے ہیں، ۱۰ر بجے بس کا ٹکٹ ملا اور بس مقررہ وقت پر کرامان کے لیے روانہ ہو گئی۔ پورے راستہ گاڑی میں تمام مسافروں کی چائے، پانی اور کافی سے تواضع کی جاتی رہی۔

[جاری ہے]



تعزیت

صاحب زادہ غلام رسول تو گیروی، سجادہ نشین تو گیرہ شریف (بہاول نگر) کی ہمشیر صاحبہ---

علامہ محمد منشاء تابش قصوری، منڈی مرید کے کی اہلیہ محترمہ---

سردار محمد ابراہیم نوری، چک نمبر S.P/15 پاک پتن شریف---

مولانا محمد الیاس نوری، چک نمبر 18/1.A.L اوکاڑا کے دادا جان---

قاری محمد اسلم نوری، کلیسر کلاں منڈی احمد آباد کے سسر---

مولانا غلام محمد نوری، رکن پورہ کی نانی صاحبہ---

حافظ محمد طفیل کھچر کونسلر، بصیر پور---

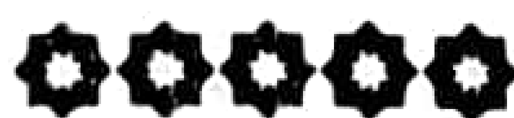
حافظ مشتاق احمد ناصر، متعلم دار العلوم ہٰذا، چک ڈھلیانہ کے تایا جان---اور

محترم سید صابر حسین شاہ بخاری، ادارہ فروغ افکار رضا، امام اہل سنت لائبریری برہان شریف (اٹک) کے والد گرامی محترم سید مسکین شاہ بخاری، ۲۶ر صفر/ ۶ر اپریل کو خالق حقیقی سے جا ملے---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



حقیقتِ ذکرِ الٰہی

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی

اگر روحانی بیماریوں کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت میں بیماریاں دو ہی ہیں:

① عقیدہ و عمل میں تضاد کی بیماری۔ اس بیماری میں عقیدہ درست ہوتا ہے، ذہن خیر و شر میں حدِ فاصل کھینچتا ہے، لیکن اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ نہیں دیتے۔ عقل کہتی ہے کہ اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے، مگر عین اس وقت جب عقل یہ کہہ رہی ہوتی ہے، انسان محسوس کرتا ہے کہ حبِ مال، حبِ جاہ، حب حسنِ مجاز اللہ کی محبت پر چھا گئی ہے۔ انسان تسلیم کرتا ہے کہ غیر اللہ کا ڈر دل میں نہیں ہونا چاہیے، مگر دل میں جھانکتا ہے تو جھوٹے خداوندوں کے خوف سے اسے ملوث پاتا ہے۔ انسان مانتا ہے کہ حسد، بغض، کینہ، عناد، تکبر اور بخل روحانی بیماریاں ہیں اور دل ان سے پاک ہونا چاہیے، مگر اس کے باوجود وہ دل میں ان سانپوں کو رینگتا ہوا دیکھتا ہے۔ ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ عقیدہ و عمل کے اس تضاد کا علاج کیا ہے؟

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عقیدے کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔ ذہن خیر و شر میں واضح طور پر حدِ فاصل نہیں کھینچتا ہے۔ عقل سرکش ہو کر چھوٹ ہو جاتی ہے اور ہر وہ بات جو اس کی گرفت میں

نہیں آتی، اس کے وجود ہی سے منکر ہو بیٹھتی ہے۔ اس بیماری میں سوچنے کا انداز یوں ہوتا ہے کہ جانے اس کائنات کا نظام چلانے والا کوئی ہے بھی یا نہیں؟ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے؟ وحی غیر مرئی، ملائکہ کا وجود غیر مرئی، خدا کی ہستی نا قابلِ ادراک، روح کا کوئی مستقل وجود ہے یا حیات مادے ہی کا خاصہ ہے اور مادے سے ہٹ کر حیات کا کوئی وجود نہیں۔ پھر حیات بعد الممات کیا ہے؟ ہر وہ شے جو حواس کی گرفت میں نہیں آتی، انسان اس کے وجود میں متشکک (SCEPTIC) ہو جاتا ہے۔ اس تشکیک کا علاج کیا ہے؟

عقیدہ و عمل میں تضاد

عقیدے اور عمل میں تضاد کیوں ہوتا ہے؟ انسان کا وجود مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے۔ اس کے خمیر میں حیوانیت، بے ہیمیت، سبعیت، ملکیت، یہ سب کچھ گندھا ہوا ہے۔ جب ملکیت، بے ہیمیت و سبعیت سے مغلوب ہو جاتی ہے تو عقیدہ و عمل میں تضاد رونما ہوتا ہے۔ جب نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے، تو اعضاء ذہن کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾---[۱۲:۵۳]

"نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے"---

قرآنِ مجید نے نفس کے علاوہ ایک اور دشمن کی خبر دی ہے، جو برائی پر اُکسانے والا ہے:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾---[۳۵:۶]

"یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے، اسے (دل و دماغ کی ہم آہنگی کے ساتھ) دشمن سمجھو"---

شیطان کی حقیقت

شیطان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَجْرِیْ مَجْرَی الدَّمِ---

"وہ (شیطان) انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے"---

اور اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے انسانی جسم میں ہوا کی آمد و شد جاری ہے، جیسے بجلی جسم میں سرایت کر جاتی ہے، شیاطین کہ ارواح ہیں، اُن کا جسم میں سرایت کر جانا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ شیطان بڑا گھاگ اور خرانٹ ہے، وہ سرد و گرم عالم چشیدہ ہے۔ اس نے چرخ کی ان گنت گردشیں دیکھی ہیں، وہ ہر شخص کی کمزوریوں پہ نظر رکھتا ہے اور نفس کے کمزور ترین حصے کو

چھوتا ہے۔ وہ ایسا احمق نہیں کہ جس شخص کے خمیر میں فیاضی گندھی ہوئی ہو، جس کی ہڈیوں میں سخاوت رچی ہوئی ہو، وہ اسے بخل پر آمادہ کرے گا، وہ اسے اسراف پر آمادہ کرے گا، وہ اسے تبذیر پر مائل کرے گا، وہ اسے بے جا اور بے محل خرچ کرنے پر اکسائے گا۔ وہ ایک نازک مزاج شاعر کو قتل و غارت پر آمادہ نہیں کرے گا، وہ سمجھتا ہے کہ اس میں دھینگا مشتی کی صلاحیت نہیں، وہ اسے شراب نوشی اور حسن پرستی پر اُکساتا ہے۔

پس نفس اور شیطان دو بڑے دشمن ہیں اور نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ آدم و حوا کو شیطان نے بہکایا:

﴿فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ﴾---

مگر خود شیطان کو کس نے بہکایا؟ اسے نفس ہی نے بہکایا۔ اس وقت تو کوئی اور شیطان نہ تھا۔

علاج

اب سوال یہ ہے کہ نفس اور شیطان کو کیسے پچھاڑیں؟ انھیں پچھاڑنے کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی حقیقت معلوم کریں۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قلبِ ابْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَ اِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ---[بخاری شریف]

"شیطان آدمی کے دل پر جم کر بیٹھتا ہے، جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جوں ہی انسان ذکر سے غافل ہوتا ہے، جی میں وسوسے ڈالتا ہے"---

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کو جو ابن آدم کے دل پر جم کے بیٹھتا ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے، آدمی کے جثے سے باہر آنا پڑتا ہے اور جب تک آدمی ذکر میں مشغول رہتا ہے، ذکر کا نور اسے قریب نہیں آنے دیتا۔

آپ یقین کیجیے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں، شیاطین نے ان کے سینوں کو اپنا نشیمن بنا رکھا ہے:

﴿وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ﴾---[۴۳:۳۶]

''جو شخص اس رحم کرنے والے آقا کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے، ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے''---

وہ خدا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے بتدریج ہمیں حد کمال تک پہنچایا، وہ خدا جو دن رات ہم پر جسمانی، ذہنی اور روحانی نوازشوں کی بارش کرتا ہے، ہم میں سے جو اس محسنِ اعظم کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس احسان فراموش کی روحانی مناسبت شیاطین سے ہو جاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی چوں کہ شیطان کے حق میں بم باری سے کم نہیں، اس لیے وہ جس پر مسلط ہوتا ہے، پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے:

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ط اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾---[۱۹:۵۸]

''شیطان ان پر مسلط ہوا تو اللہ کا ذکر انھیں بھلا دیا، یہی لوگ شیطان کی ٹولی ہیں، دیکھو شیطان کی ٹولی ہی گھاٹے میں رہنے والی ہے''---

جب بھی کوئی دشمن پر قابو پاتا ہے تو سب سے پہلے دشمن سے ان ہتھیاروں کو چھینتا ہے، جو اس کے لیے ہلاکت کا سامان ہیں۔ اس آیت سے اور بھی وضاحت ہوگئی کہ ذکرِ الٰہی شیطان کے لیے حد درجہ ہلاکت آفریں ہے، جبھی تو انسان پر قابو پاتے ہی ذکرِ الٰہی سے غافل کرنے کی فکر سب سے پہلے اسے دامن گیر ہوتی ہے۔ پس یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول (عزوجل و ﷺ) کی نظر میں شیطان کا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔

اب آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں نفس کا علاج تلاش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِکُلِّ شَیْءٍ صقالةٌ و صَقَالةُ الْقلوبِ ذِکْرُ اللّٰهِ---[بیہقی]

''ہر شے کو چمکانے کے لیے پالش ہوتی ہے، اگر دلوں کو تم صیقل کرنا چاہو تو اللہ کے ذکر سے صیقل کرو''---

پس اگر دل کو حسد، بغض، تکبر، بخل کے گرد و غبار سے صاف کرنا چاہو تو اس کی تدبیر بھی ذکرِ الٰہی ہے:

یکے دوا ست بدار الشفاء میکدہ ہا
زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید

''توحید کے شراب خانوں کے دار الشفاء میں ایک ہی دوا ہے، جس بیماری سے بھی

کوئی گمراہ رہا ہے، اس کے منہ میں ذکرِ الٰہی کی شراب انڈیلو"---

دوامِ ذکر

چوں کہ نفس اور شیطان دونوں کا علاج ذکر ہی ہے اسی لیے قرآن نے دوامِ ذکر پر زور دیا:

﴿فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ﴾---[۱۰۳:۴]

"جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو، اُٹھتے بیٹھتے، پہلو بدلتے ہوئے"---

اور اللہ والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾---[۱۹۱:۳]

"وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے"---

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ صلح ہو یا جنگ، بزم ہو یا رزم، اللہ تعالیٰ کا ذکر مسلسل اور پیہم کرو۔

سورۃ الانفال میں ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾---[۴۶:۸]

"اے ایمان والو! جب کسی جتھے سے تمہاری ٹکر ہو جائے، تو جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، تاکہ تمھیں کامرانی حاصل ہو"---

جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہا کہ فرعون سرکش ہو گیا، جاؤ اسے سمجھاؤ، تو ساتھ ہی کہا:

﴿وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ﴾---[۴۲:۲۰]

"میری یاد میں سستی نہ کرنا"---

حضور ﷺ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ---[صحیح مسلم]

"وہ (ﷺ) ہر آن، ہر لحہ اللہ کا ذکر کرتے تھے"---

عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَام قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِیْ بِشَیْءٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ---

''یارسول اللہ! اسلام کے احکام تو بہت سے ہیں، مجھے کوئی ایک بات ایسی بتادیجیے،
جسے میں اپنا دستور العمل ٹھہرالوں''---

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رُطَبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ---[ترمذی]

''تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے''---

پس دوامِ ذکر ہی عقیدہ وعمل میں تضاد کا علاج ہے۔ اسی سے ملکیت، بہیمیت پر غالب ہوتی ہے، اسی سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، اسی سے جذبات کی تطہیر ہوتی ہے۔

وہ لوگ جنھیں اللہ کے راستے کی معرفت حاصل ہوئی، اللہ کی یاد سے پل بھر کی غفلت کو بھی معصیت سمجھتے ہیں:

صرف عصیاں ہوا وہ لحظۂ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

پس وہ تمام مذہبی جماعتیں، جو ذکرِ الٰہی کی الٹی سیدھی تعبیریں کرتی ہیں اور ذکرِ الٰہی سے گریز کی راہیں ڈھونڈتی ہیں، ان کے نظریات وافکار میں شیطانی وساوس کو دخل ہوتا ہے۔ شیطان ان کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ذکرِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ وہ یاد رہے۔ یعنی اس کا خیال رہے اور خیال کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کے بتلائے کاموں پر عمل کیا جائے۔ یوں شیطان بہکا پھسلا کر ذکرِ الٰہی سے انھیں غافل کر دیتا ہے اور ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے گریز قرآنِ مجید کی نظر میں منافقت کی نشانی ہے:

﴿وَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾---[۱۴۱:۴]

جو فرقہ اللہ کی عبادت سے فرار کے بہانے تراشے اور یہ کہے کہ قرآنِ مجید میں تو پانچ نمازوں کا ذکر کہیں نہیں ہے، خود اللہ کی عبادت سے یہ فرار میری نظر میں ان کی ضلالت وگمراہی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ عمل کہ جب سے فرض ہوا، اس وقت سے لے کر آج تک پورے عالمِ اسلامی میں بلا ناغہ پانچ وقت دہرایا گیا، اس عمل کے بارے میں ان کی یہ کٹ حجتیاں اور حیلہ سازیاں ان کے محجوب ہونے کی خبر دیتی ہیں۔

اللہ والوں کی تو یہ پہچان ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں بار بار حاضر ہونے کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ پانچ نمازوں سے بھی ان کی محبت کی پیاس نہیں بجھتی۔ کبھی چاشت اور کبھی اشراق،

کبھی صلوۃ اوابین اور کبھی صلوۃ التسبیح سے پیاس بجھاتے ہیں۔وہ

﴿وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا﴾---

کی مجسم تفسیر ہوتے ہیں۔ان کی راتیں اس عالم میں بسر ہوتی ہیں کہ کبھی اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سجدہ ریز ہوتے ہیں۔کہاں یہ نفوسِ قدسیہ کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، پہلو بدلتے ہوئے آٹھوں پہر، چونسٹھ گھڑی، ان کی زبانیں اور ان کی روحیں ذکرِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہیں اور کہاں وہ بندگانِ غفلت اور گم کشتگانِ راہ کہ ان کے لائحۂ عمل میں ذکرِ الٰہی کا سرے سے مذکور ہی نہیں۔شتان ما بینهما



اب سوال یہ ابھرتا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ محض چند الفاظ کی تکرار سے شخصیت کے تمام گوشے متاثر ہونے لگتے ہیں اور قوتِ عمل جاگ اٹھتی ہے۔محض زبان کو حرکت میں لانے سے جی کا غبار دھلنے لگتا ہے، روحانی بیماریاں چھٹنے لگتی ہیں اور عقیدہ وعمل میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگتی ہے، آخر اس میں کیا علت ہے؟

آیئے! اسی دانائے سبل ﷺ سے پوچھیں اور اسی کے فرمودات کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کریں۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِکَةُ وَ غَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ---[صحیح مسلم]

”جب بھی کچھ لوگ اللہ کے ذکر کی خاطر مل بیٹھتے ہیں، فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور خدا بھی ان کا ذکر کرتا ہے، ان سے جو اس کے پاس ہیں“---

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ برو
یک دو کس، یک دو زماں، بہر خدا بہ نشینند

”آسمان اس خطۂ زمین کی تعظیم بجالاتا ہے، جس پر دو چار آدمی، دو چار گھڑیوں کے لیے محض اللہ کی خاطر بیٹھ جاتے ہیں“---

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جو اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھا دیے ہیں، ناگزیر ہے کہ ان پر رحمت وسکینت کا ورود ہو۔

رحمت کی حقیقت

اس رحمت اور سکینت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک جوہر ہے، جس کا ورود قلب پر ہوتا ہے۔ وہ جوہر جو تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔ بجا کہا حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''نور الہدیٰ'' میں:

مجرد نزولِ انوار همه اوصافِ ذمیمه را از قلب برمی کند---

''انوارِ الٰہی کا محض دل سے لمس تمام روحانی بیماریوں کو اُچک لیتا ہے''---

وہ شخص ذکر کی حقیقت و روح سے یک سر محروم رہا، جس نے سکینت سے مراد محض ذہنی سکون سمجھا اور رحمت کے جوہر سے آشنا نہ ہوا۔

پس یہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا بھی ہے اور اللہ والوں کی روحانی غذا بھی۔ یہ جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ---[متفق علیہ]

''میں رات اپنے رب کے پاس بسر کرتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے''---

تو اس سے مراد بھی روحانی رزق ہے، جسے علمۃ الناس کو سمجھانے کے لیے کھلانے پلانے سے تعبیر کیا۔

رحمت و سکینت میں فرق

ذہن میں ایک استفہامیہ نشان یہ بھی ابھرتا ہے کہ رحمت و سکینت کے معانی میں حدِ فاصل کیسے کھینچی جائے؟ اگر یہ مترادف لفظ ہیں، تو صرف ''غشیتھم الرحمۃ'' کہنا ہی بس تھا اور ''نزلت علیھم السکینۃ'' حشو و زوائد میں سے ہوا اور اس افصح العرب ﷺ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ فالتو الفاظ بولتے تھے، بہت بڑی بدگمانی ہے۔ قرآن و حدیث میں اسی قبیل کے متعدد الفاظ آئے ہیں:

صلوٰۃ و سلام، رحمت، برکت، سکینت

ان کے معانی میں حدِ فاصل کھینچنے میں دقت ہوتی ہے۔ اگر چشم بصیرت وا ہو، تو عالم روحانی کی حقیقتوں پر عالم آب و گل بھی دلالت کناں ہے۔ یہ مادی رزق جو اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے پیدا کیا، جسے ملحد، زندیق، کافر، اسے گالیاں دینے والے، اس کے وجود کا انکار کرنے والے،

سبھی کھاتے ہیں، اللہ نے اس میں کس قدر تنوع پیدا کیا۔ سبزیوں اور پھلوں کی اقسام پر غور کیجیے، آم پیدا کیے تو اس کی بیسیوں قسمیں بنائیں، خربوزہ پیدا کیا تو ساتھ سردا اور گرما پیدا کیا۔ مختلف اقسام وانواع، پھر ہر نوع میں تنوع در تنوع۔

پھر کیا اس رزق میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تنوع نہیں رکھا، جو اس نے اپنے عاشقوں اور محبوبوں کے لیے پیدا کیا۔ وہ رزق جو ان بندوں کے لیے پیدا کیا، جنھوں نے اُس کی خاطر دو جہانوں کو خیر باد کہا اور اس کی ذات کے لیے وقف ہو گئے۔ کیا وہ ایک ہی قسم کی رحمت ہے، جو اہلِ ذکر کی روح پر وارد ہوتی ہے؟ جو شخص یہ سمجھتا ہے، وہ نوامیسِ فطرت سے یک سر نا آشنا ہے۔ جب اس نے رحمت کی تخلیق کی تھی، تو اس کی صفتِ خلاقی بھرپور جوش میں آئی تھی اور اس نے ان گنت رحمت کی قسمیں پیدا کیں۔ اتنی قسمیں جنھیں تم حیطۂ شمار میں نہ لاسکو۔ یہ صلوٰۃ، یہ سلام، یہ رحمت، یہ برکت، یہ سکینت، یہ سب اس کی رحمت کی انواع واقسام ہیں، جو اہل اللہ کے سینوں پر وارد ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اس لذت سے محروم ہیں، وہ لغت میں صلوٰۃ، سلام، رحمت، برکت اور سکینت کے معانی ڈھونڈتے ہیں اور جب ان کے معانی میں کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچ سکتے، تو پریشان ہوتے ہیں۔

عاشق نہ شدی ، محنتِ الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامۂ ھجراں چہ کشاید؟

اور:

مَنْ لَّمْ یَذُقْ حَرْقَ الْھَوٰی
لَمْ یَدْرِ مَا جَھْدُ الْبَلَا

”جس نے عشق کی سوزش کا مزا نہیں چکھا ہے، اسے کیا خبر کہ محبت کی سختیاں جھیلنے میں کیا مزا ہے؟“---

یہ بات تو سینے پر وارد ہونے کی ہے، زبانی سمجھانے کی نہیں ہے۔ کیفیت روحانی ہو، ذہنی یا جسمانی، وہ محسوس تو کی جا سکتی ہے، مگر دوسرے کو سمجھائی نہیں جا سکتی۔ جیسے کسی آدمی نے آم نہ کھائے ہوں، آپ اسے ہزار سمجھائیں کہ لنگڑے کی یہ لذت ہے، دسہری کی حلاوت ایسی ہے، ٹپکے کا مزا ایسا ہوتا ہے، وہ ان لذتوں کا فرق سمجھنے سے یک سر قاصر رہے گا۔

سب لذتیں ہیچ ہیں

پھر یاد رکھو کہ اس روحانی رزق کی لذت کے سامنے کائنات کی لذتیں ہیچ ہیں۔ یہ جو تم

اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ رات بھر اس کی بارگاہ میں بیٹھے رہتے ہیں، یوں ہی خشک اور بے لذت تو نہیں بیٹھے ہیں:

دیدہ باشند از رخ آں دوست اندک جلوۂ
ورنہ از احیائے شب، شب زندہ داراں را چہ حظ

"دوست کے مکھڑے کی کچھ جھلکیاں انھیں نظر آتی ہوں گی، وگرنہ رات بھر جاگنے کی انھیں کیا پڑی ہے؟"---

یہ جو صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اس کے حضور میں جم کر بیٹھے رہتے ہیں، جب کہ بادِ نسیم اور نمازیوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا رہی ہوتی ہے، روحانی غذا کھاتے ہیں اور شدید سرور و کیف کے عالم میں ہیں۔

یہ جو حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہت پر لات ماری اور تخت و تاج اس سے چھوٹ گیا، تو یہ محض اس لیے کہ اللہ کا ذکر بادشاہت سے لذیذ تر تھا۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دیوان کے مطلع میں اسی روحانی رزق کی لذتوں کا ذکر کیا ہے:

اندر بوٹی مشک مچایا، جاں پھلن پر آئی ہو

ذکر سے میرا سینہ مہک اٹھا ہے اور قریب ہے کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں۔ پس محروم اور کم نصیب ہیں وہ لوگ، جنھیں اس روحانی رزق سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بدبختی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کے ہاں تمہارا راشن کارڈ ہی نہ بنا ہو؟ جب تک فیضان نہیں ہوتا ہے۔ عبادت طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

﴿اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ﴾---[۲:۴۵]

اور فیضان ہو تو نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور زندگی کی سب سے بڑی لذت۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ---[نسائی]

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"---

خبیب بن عدی کو جب پھانسی پر لٹکانے کے لیے جا رہے تھے تو کفار نے پوچھا کہ کوئی آرزو ہو تو کہو۔ فرمایا: "مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو"---

جب انسان اس روحانی غذا کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس نشۂ رحمت وسکینت کے بغیر زندگی اسے پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی ہے جیسے بھوکا بے تابی سے روٹی کی طرف لپکتا ہے اور پیاسا بے چینی سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اسی بے تابی اور بے قراری سے وہ اللہ کے ذکر و عبادت اور مخلوق کی خدمت کی طرف لپکتا ہے تاکہ بادۂ رحمت سے وہ رُوح کی پیاس بجھا سکے۔ وہ لوگ جو رحمت وسکینت کی فضا میں جیتے ہیں، وہ اگر اس کے احکام پر عمل نہ کریں اور اس کی منہیات سے نہ بچیں، تو وہ فیضانِ رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں اور فیضانِ رحمت کے بغیر ان کا دم گھٹتا ہے اور زندگی اداس ہو جاتی ہے۔ یوں بغیر کسی کاوش اور مشقت کے زندگی نیکی اور بھلائی کے سانچے میں ڈھل گئی، عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوئی، اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ دینے لگے۔

ذکرِ الٰہی سے رحمت کا ورود ہوتا ہے۔ وہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے اور اہل اللہ کی روحانی غذا ہے۔ وہ رحمت رات کے اندھیرے ہی میں نہیں، دن کے اجالے میں برستی ہے، وہ رحمت نیند کی حالت میں نہیں، ہوش و آگہی کے عالم میں برستی ہے، وہ دن دہاڑے برستی ہے اور عالمِ بیداری میں برستی ہے۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

آپ بھی جی میں کہتے ہوں گے کہ یہ کیا پہیلیاں ہیں؟ یہ کیا بجھارتیں ہیں؟ ذکر تو کبھی کبھار ہم بھی کرتے ہیں، نماز ہم بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ رحمت وسکینت کی بارش برسنے کا کوئی حادثہ ہمیں تو پیش نہیں آیا۔ وہ رحمت اگلے وقتوں میں برستی ہوگی:

اے شوقِ منفعل! یہ تجھے کیا خیال ہے؟

اس کی صفتِ رحمٰن و رحیم بھی ازلی و ابدی ہے۔ وہ پل بھر کے لیے بھی کبھی معطل نہیں ہوئی۔ وہ سرمدی اور لم یزلی ہے۔ صفتِ رحمٰن کا تقاضا ہے کہ رحمت ہر دور میں برسے۔

آپ کہیں گے یہ باتیں تو لذیذ ہیں مگر کیا تدبیر کریں کہ رحمت کا ورود ہونے لگے؟

وُرودِ رحمت کیسے ہو؟

یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ذکر دنیوی اغراض کے لیے کیا جاتا ہے، کوئی ملازمت کے لیے ذکر کرتا ہے، کوئی شادی کے لیے تسبیح پھیرتا ہے، کوئی وظیفے پڑھتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد نہیں، کوئی اس لیے پڑھتا ہے کہ میرے ہاں لڑکیاں ہوتی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں۔ دنیا کے دھندے اور جنجال کبھی ختم

ہونے والے نہیں، ایک جھنجھٹ سے انسان نکلتا ہے تو دوسرے میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کا مقصود ذکرِ الٰہی سے محض دنیوی خواہشات کی تکمیل ہے۔

ذکر، لوجہ اللہ کرو

اے طالب! تو اللہ کا ذکر اللہ ہی کے لیے کر۔ اس کی رضا اور خوشنودی کو اپنا مقصود ٹھہرا لے۔ خود حضور ﷺ کو اصحابِ صفہ کی دل جوئی اور پاس خاطر کی دو بار تلقین کی گئی۔ یہ جو اصحابِ صفہ کو مقام حاصل ہوا، تو اس کا باعث قرآن مجید نے یہ بتلایا کہ وہ اللہ کو اس کی رضا کی خاطر یاد کرتے ہیں:

﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾---[۵۲:۶]

"ان لوگوں کو اپنے سے پرے نہ ہٹایئے، جن کی صبحیں اور شامیں اپنے رب کی یاد میں بسر ہوتی ہیں (اور یاد اس لیے کرتے ہیں کہ) اس کے مکھڑے کے طالب ہیں"---

﴿وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾---[۲۸:۱۸]

"اور ضبط کے ساتھ بیٹھے رہیے ان لوگوں کے ساتھ، جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح و شام، اس کے مکھڑے کے طالب ہیں، ان سے نگہ التفات نہ ہٹایئے"---

دونوں آیتوں میں اس بات پر زور دیا گیا کہ:

﴿یریدون وجهه﴾--- "کہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں"---

پس اے طالب! تو اپنی نیت کو سیدھا کر اور دل و دماغ کی ہم آہنگی سے کہہ:

الھی انت مقصودی و رضاک مطلوبی---

"اے اللہ! میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا مجھے مطلوب ہے"---

جہد کن تا ترکِ غیر حق کنی
دل ازیں دنیائے فانی بر کنی

"کوشش کرو کہ تم غیر اللہ سے دامن جھٹک سکو اور اس دنیائے فانی سے دل نکال سکو"---

چوں الف گر تو مجرد می شوی
اندریں رہ مردِ مفرد می شوی

''اگر تو ''الف'' کی طرح (دنیوی حرص و آز کی آلائشوں سے) الگ تھلگ ہو جائے، تو اس راستے کا تو مردِ یکتا ہو''---

اگر کسی شریف آدمی سے تم وفا کرو، اس کے آستانے کے لیے وقف ہو جاؤ اور اس کی محبت کی بنا پر اس کی چاکری کرو، تو وہ بھی تمہاری حاجتوں کا خود خیال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اسے کھانا دو، کہیں بھوکا تو نہیں؟ اسے لحاف دو، کہیں سردی تو نہیں لگتی؟ اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں، اسے کپڑے پہنا دو۔ جب ایک شریف آدمی کی محبت کے یہ تقاضے ہیں، تو اس رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان کیا ہے؟ تم اگر اس سے وفا کرو اور اس کی محبت میں اسے یاد کرو تو وہ چن چن کر تمہاری ایک ایک حاجت کو پورا کرے گا۔ حدیث قدسی ہے:

یَا ابْنَ آدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَسُدُّ فَقْرَکَ---[احمد]

''اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو بیٹھ، میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں گا''---

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

جتنی عمر تم نے دنیا کے دھندوں کے لیے وظیفے پڑھے، اے کاش! اس کا عشر عشیر تم اللہ کی خاطر پڑھتے تو تم اس کے مقبول بندوں میں شمار ہوتے۔

اے طالب! تو ذکر اللہ ہی کے لیے کر اور دنیا کے دھندوں کے لیے دعا مانگ۔ دعا تیری عاجزی، تیری بے چارگی اور تیری درماندگی کا اظہار ہے۔ یہی اعتدال کی راہ ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ دعا بھی اپنے جی سے گھڑ کر نہ مانگ، تیری عقل ناقص ہے، تیری معرفت ادھوری ہے، تو انگاروں کو پھول سمجھتا ہے اور پھول تجھے انگارے نظر آتے ہیں۔ تو سم قاتل کو شہد سمجھ کر مانگتا ہے، تیری دعائیں کچی اور بودی ہیں، دعائیں وہی مانگ جو سرورِ دنیا و دین ﷺ نے سکھلا دی ہیں، ان دعاؤں سے سرمو انحراف نہ کر۔

اھلِ ذکر کی صحبت اختیار کرو

اے طالب! اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ پر رحمتوں کی بارش ہو اور تو انوار کی غذا کھائے، تو اہلِ ذکر کی

صحبت اختیار کر، ان کی صحبت اکسیرِ اعظم ہے، ان کی محفل کبریتِ احمر ہے۔ تو اپنی انانیت کو کچل کر ان کی مجلس میں جا بیٹھ۔ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں، جس سے دنیا اور آخرت کی سعادتیں تمہاری جھولی میں سمٹ آئیں:

① علیک بمجالس اهل الذکر و اذا خلوت فحرک لسانک ما استطعت بذکر اللّٰه---

''اہلِ ذکر کی مجالس کو لازم پکڑو اور جب اٹھ کر وہاں سے جاؤ، تو اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنی زبانوں کو حرکت میں لاؤ، جہاں تک تمہارا بس چلے''---

و احب فی اللّٰه و ابغض فی اللّٰه---

''اللہ ہی کی خاطر محبت کرو، اللہ ہی کی خاطر نفرت کرو''---

پھر آپ نے فرمایا:

② یا ابا رزین! هل شعرت ان الرجل اذا خرج من بیته زائراً اخاه شیعه سبعون الف ملک کلهم یصلون علیه و یقولون ربنا انه وصل فیک فصله فان استطعت ان تعمل جسدک فی ذالک ما فعل---[بیہقی]

''اے ابورزین! کیا تو نے محسوس کیا ہے کہ آدمی جب گھر سے اپنے دینی بھائی کی زیارت کی نیت سے نکلتا ہے، تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، سب اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ہمارے رب! اس نے تیری خاطر یہ تعلق قائم کیا ہے، تو بھی اس سے تعلق قائم کر۔ اے ابورزین! یہ کام کرنے کا جہاں تک تمہارا بس چلے، اس میں اپنا جسم کھپا دو، اہلِ ذکر کی صحبت تمہیں ریاضتِ شاقہ سے بے نیاز کر دے گی''---

آں کہ بہ تبریز یافت یک نظرِ شمسِ دیں
طعنہ زند بر دھا، سخرہ کند بر چلہ

''جس نے شمس تبریز ایسے مردِ درویش کی اِک نگاہ کو پالیا، وہ چلہ کشی اور ریاضت کی کھلی اُڑاتا ہے''---

③ تیسری بات یہ پلے باندھو کہ ذکر پیہم کرو، بلا ناغہ کرو۔

کوک فریدا کوک توں ، راکھا جویں جوار
جد تک ٹانڈا ناں پکے ، تو کردا رہ پکار

ان تین باتوں کو پلے باندھو:

1. ذکر لوجہ اللہ کرو۔
2. بلاناغہ کرو۔
3. اہلِ ذکر کی صحبت اختیار کرو۔

ان تین باتوں پر اگر تو عمل پیرا ہو جائے تو میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تجھ پر انوارِ الٰہی کی بوچھاڑ ہو اور فیضانِ رحمت تیری رگ رگ اور نس نس کو سیراب کرے، تمھارے دامن کے سب داغوں کو دھوڈالنے کے لیے اس فیضان کا ایک چھینٹا ہی بس کرتا ہے۔



تشکیک کا علاج

بعض لوگوں کو مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے؟ ملائکہ کا وجود ہے بھی کہ نہیں؟ خدا غیر مرئی، ملائکہ غیر مرئی، وحی کا نزول غیر مرئی، خدا حواس کی گرفت میں نہ آسکے:

﴿لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ﴾---[۶:۱۰۳]

ملائکہ حواس کی گرفت میں نہ آسکیں، وحی کا نزول دکھائی نہ دے، عقل اپنا مواد حواس ہی کے ذریعے اکٹھا کرتی ہے۔ جو بات حواس کی گرفت میں نہ آسکے، عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ عقل جب ان حقائق کا ادراک نہیں کرسکتی تو وہ متشکک ہو جاتی ہے اور وہ باتیں، جو ماوراء عقل ہیں، انسان انھیں خلافِ عقل سمجھ بیٹھتا ہے۔ تشکیک کی بیماری میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ روح کا کوئی مستقل بالذات وجود ہے یا وہ مادے ہی کا خاصہ ہے اور جو ہر حیات کے سوا کچھ بھی نہیں اور جب روح کا کوئی مستقل بالذات وجود نہیں تو حیات بعد الممات کس سے عبارت ہے؟ تشکیک میں یہ وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ شکوک و شبہات ذہن میں ابھرتے ہیں، ان کا باعث ذہانت اور عقل کی برّاقی ہوتی ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میری ذہنی سطح عام انسانوں سے بلند تر ہے۔ اس لیے یہ خیالات میرے ذہن میں آتے ہیں۔ اگر آپ بات کا تجزیہ و تحلیل کریں، تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ محض روح کے کثیف ہو جانے سے اور روح میں ناسوتی خواص پیدا ہو جانے سے مابعد الطبیعاتی

حقائق کے بارے میں انسان متشکک ہو جاتا ہے، اس میں ذہانت وعبقریت کی کوئی بات نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بدو بھی کہا کرتے تھے:

﴿ءَ اِذَا مِتْنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾---[۸۳:۲۳]

''کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک ہو گئے ہوں گے اور ہڈیاں باقی رہ گئی ہوں گی، کیا ہمیں اٹھادیا جائے گا؟''---

اور جیسا کہ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے:

اموت ثم بعث ، ثم نشر

حدیث خرافة یا ام عمرو

''کیا ہم مرجائیں گے، پھر ہمیں اُٹھادیا جائے گا اور ہمارا حساب کتاب ہو گا؟ یہ سب خرافات ہیں میری محبوبہ!''---

عقل سرکش ہے۔ وہ دلائل سے تو ان حقائق کو ماننے والی نہیں، وہ ہر دلیل کو کاٹ ڈالتی ہے:

عقل عیار ہے ، سو بھیس بنا لیتی ہے

میں نے عرض کیا کہ یہ حقیقتیں عقل سے ماوراء ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور اگر عقل کبھی زورِ دلائل سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتی ہے تو یہ اس کی غباوت کی دلیل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پھر تشکیک کا علاج کیا ہے اور یقین و اذعان کی دولت سے کیوں کر بہرہ یاب ہوں؟

عامۃ المسلمین کو تو یقین و اذعان وجدانی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایک بار عقائد کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں اور شکوک وشبہات کے کانٹوں کی چبھن محسوس ہونے لگے تو کشفی مشاہدے کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ مشاہدہ ہر چند جزئی ہوتا ہے لیکن جز کل پر دلالت کناں ہوتا ہے اور مشاہدے کے لیے ذکرِ الٰہی سے بہتر کوئی راہ نہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں کہا:

و لا افضل من الذکر باعتبار تطلع النفس علی الجبروت---

''عالم علوی سے آگہی حاصل کرنے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی سے بہتر کوئی نہیں''---

ذکرِ الٰہی سے مابعد الطبیعاتی حقائق کا منکشف ہونا خود احادیث سے ثابت ہے:

عن ابی سعید الخدری ﷺ ان اسید بن حضیر قال بینما هو یقرأ من اللیل سورة البقرة و فرسه مربوطة عنده اذ جالت الفرس فسکت

فسكنت فقرأ فجالت فسكت فسكنت ثم قرأ فجالت الفرس---

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ رات کے وقت سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا یکا یک بدکا تو آپ چپ ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ آپ پھر تلاوت کرنے لگے، تو گھوڑا پھر بدکا، آپ چپ ہوئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا، آپ نے پھر تلاوت کی تو گھوڑا پھر بدک اٹھا''---

حضرت اسید بن حضیر نے آسمان کی طرف سر اٹھایا:

فَاذا مثلُ الظّلة فِيها اَمْثالُ الْمَصَابِيح---

''تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سائبان سا ہے، جس میں چراغ جل رہے ہیں''---

صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا:

تَدرِیْ مَا ذَاکَ؟---   ''تمہیں خبر ہے کہ یہ کیا ہے؟''---

تِلْکَ الْمَلائِکَةُ دَنَتْ لِصَوتِکَ وَ لو قرأتَ لَاَصْبحتَ يَنظر النَّاسُ اِلَيْهَا لا تَتَوَارى مِنْهُمْ---[متفق علیہ]

''یہ فرشتے تھے، جو تیری آواز سن کر قریب آ گئے تھے اور اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو انھیں تیری آواز نے ایسا جذب کیا تھا کہ وہ واپس نہ جا سکتے اور صبح کے وقت لوگ انھیں دیکھتے اور فرشتے ان سے چھپ نہ سکتے''---

یہ حدیث اس پر حجت قاطعہ ہے کہ تلاوتِ قرآنِ مجید جو بحکم ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ بدرجۂ اولیٰ ذکرِ الٰہی ہے، مشاہدۂ ملائکہ کا باعث ہوئی۔ پھر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے اس کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے مل گئے۔ میں نے کہا:

نَافَقَ حَنْظَلَةُ---   ''حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے''---

حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''حنظلہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟''---

میں نے کہا:

''ہم بارگاہِ رسالت میں ہوتے ہیں تو ہماری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہم جنت و

دوزخ کا گویا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مجلس سے باہر جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور دنیوی دھندوں میں لگ جاتے ہیں اور وہ کیفیت باقی نہیں رہتی"---

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

"یہ حالت تو مجھے بھی پیش آتی ہے"---

دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کیفیت بیان کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَ فِی الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰی فُرُشِكُمْ وَ فِیْ طُرُقِكُمْ وَ لٰكِنْ یَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّ سَاعَةً---[صحیح مسلم]

"میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم مسلسل ذکر کرو اور پیہم تم پر وہ کیفیت طاری رہے، جو میری مجلس میں تم پر طاری ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہاری راہوں میں (ادباً واحتراماً) تم سے مصافحے کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی یہ کیفیت ہے اور کبھی وہ کیفیت ہے"---

در بزمِ عیش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

عالمِ ملکوت ولاہوت کا مشاہدہ نہ سہی، اگر محض سفلی ارواح ہی کا مشاہدہ ہو جائے، تو ایک سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو یہ بصیرت ویقین حاصل ہو جاتا ہے کہ روح جسم سے ہٹ کر مستقل وجود رکھتی ہے اور یہ عقل ہی کی درماندگی تھی کہ وہ اس بات کے ادارک سے قاصر رہی کہ روح اپنے وجود اور بقا کے لیے جسم کا احتیاج نہیں رکھتی۔ محض سفلی ارواح کے مشاہدے سے وہ یہ نتیجہ مرتب کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس نے اس کائنات میں تقابلی رنگ بھرے ہیں، رات کے ساتھ دن بنایا ہے، اندھیرے کے ساتھ اجالا پیدا کیا ہے اور خیر کے ساتھ شر کی تخلیق کی، ناگزیر ہے کہ اس نے سفلی اور خبیث ارواح کے مقابل ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو بھی پیدا کیا ہو۔ حیات بعد الممات کے بارے میں سب سے بڑا اشکال تو یہی تھا کہ جسم فنا ہو جانے کے بعد روح کا زندہ رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ارواح کی زندگی کا شعور حاصل ہو گیا، تو ان پر عذاب وثواب کا مرتب ہونا آسانی سے سمجھ میں

آ جاتا ہے۔ یوں محض سفلی ارواح کا مشاہدہ روح، ملائکہ، حیات بعد الممات پر ایمان کا باعث ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں برٹرنڈ رسل اور اس کی ذرّیت کے نظریات و افکار کا بودا پن تو انسان پر کھل ہی جاتا ہے۔

ایک بات اور محل نظر ہے۔ مجرد عقل تو ذکر کی قائل ہی نہیں ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ محض کسی نام کی تکرار سے اور ہونٹوں کی جنبش سے کیا ہوتا ہے؟ اسے ذکر پر آمادہ کیسے کریں؟ عقل کو یہ سمجھایئے کہ جہاں حقیقت کی تلاش میں اتنے پاپڑ بیلے ہیں، اتنی وادیوں کی خاک چھانی ہے، اتنی ضخیم کتابوں کو کھنگالا ہے، اگر یہ سچ ہے تو حقیقت کی متلاشی ہے اور محض بندھنوں اور قدغنوں سے گریز کی راہ نہیں ڈھونڈ رہی ہے تو یہ بھی ایک راستہ ہے، جس پر لاکھوں انسانوں نے چل کر حقیقت کا سراغ پانے کا دعویٰ کیا۔ ایک عقلیت پسند (RATIONALIST) استقرائی منطق (INDUCTIVE LOGIC) کو تو مانتا ہے، خود عقلیت پسندی کے اصول اسے یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ لاکھوں انسانوں کے تجربات و مشاہدات کو بہ یک جنبشِ قلم اپنے کمرے میں بیٹھ کر جھٹلا دے۔

ایک عقلیت پسند کے لیے واجب ہے کہ وہ کسی بات پر ردو قبول سے پہلے اس موضوع پر تمام مواد (DATA) اکٹھا کرے، وہ ما لہ اور ما علیہ کو جانچے۔ جب تک وہ ما لہ و ما علیہ کو جانچ نہیں لیتا ہے، اس کے لیے زیبا نہیں کہ وہ کوئی رائے قائم کرے۔ وہ راستہ جس پر چل کر لاکھوں ذہین و فطین انسانوں نے یقین و اذعان حاصل کیا، اس کے وجود سے بلا تحقیق انکار نہ کر، وہ راستہ جس پر چل کر امام غزالی ایسے نابغہ، مولائے روم ایسے عبقری نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کی معرفت حاصل کی اور تشکیک سے نجات پا گئے، تو اس راستے پہ دو چار قدم چل کے تو دیکھ، عالم ارواح کی ہلکی سی جھلک مابعد الطبیعیاتی حقائق پر ایمان لانے کے لیے تجھے بس کرتی ہے۔ عین اس وقت جب کہ تمہارا ذہن ان حقائق کے بارے میں متردد ہوگا، یہ مشاہدات عقل کی ساری ہرزہ سرائی کو ختم کر دیں گے:

رخ کشودند و لب ہرزہ سرایم بستند
دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

”میں اس کے وجود کے بارے میں واہی تباہی بک رہا تھا کہ اس نے چہرے کی جھلک دکھا کر میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے۔ اس نے دل چھین لیا (جھلک دکھا کر) اور دو آنکھیں بخشیں جو ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہی ہیں“---



وفیات

مفتی جلال الدین قادری

اہل علم وفضل کے قافلے بڑی تیزی سے آخرت کی طرف رواں دواں ہیں--- نئے قمری سال کے آغاز ہی میں (۳؍محرم الحرام) ممتاز عالم دین، مفسر قرآن علامہ محمد جلال الدین قادری وصال فرما گئے--- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

موصوف پاکیزہ علمی وتحقیقی ذوق رکھتے تھے، آل انڈیا سنی کانفرنس، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس اور کئی دیگر کتب کی تصنیف کے بعد "احکام القرآن" کے نام سے تفسیر کا کام کر رہے تھے، غالباً پانچ ضخیم مجلدات چھپ چکی ہیں، یہ تفسیر عظیم فقہی سرمایہ ہے--- علاوہ ازیں انھوں نے "جامعہ اسلامیہ" کے نام سے کھاریاں میں ایک ادارہ کی بنیاد رکھی---

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں بلند مقام سے نوازے، ان کے بڑے صاحبزادے مفتی محمد محمود احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور جملہ اہل خانہ، تلامذہ، معتقدین ومحبین کو صبر جمیل ارزانی فرمائے---

حضرت پیر سردار احمد قادری کی والدہ محترمہ

۱۳؍محرم الحرام کو حضرت علامہ صاحبزادہ پیر سردار احمد قادری سجادہ نشین آستانہ عالیہ کھرپڑ شریف کی والدہ محترمہ وصال فرما گئیں--- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اس سانحہ پر حضرت پیر صاحب اور ان کے دیگر برادران سے تعزیت کے ساتھ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور تمام اہل خانہ، مریدین ووابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے---

- حضرت صاحبزادہ عبدالرحیم، آستانہ عالیہ سلطان عبدالحکیم علیہ الرحمہ کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وصال فرما گئیں--- اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

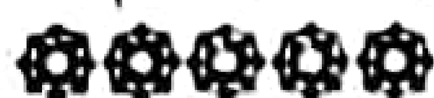
علاوہ ازیں: مولانا مسعود احمد چشتی، حویلی لکھا کے داماد---

صوفی نذیر احمد نوری، حجرہ شاہ مقیم کے سسر، مولانا سردار علی نوری، کراچی کی ساس صاحبہ، محترم حاجی عبدالرزاق نوری، کراچی کے داماد اور مولانا طالب حسین نوری ساہیوال کے چچا جان وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین



لا الٰہ الا اللّٰہ

کوئی خدا نہیں مگر اللّٰہ

﴿دنیا و آخرت کی کامیابی، فکر و غم سے آزادی اور مقصد حیات سے ہم آہنگی کا پیغام﴾

ڈاکٹر سلطان بشیر محمود

کوئی خدا نہیں!

یہ کائنات بس ایک حادثہ کا نتیجہ ہے؟

بیس ارب سال پہلے نہ زماں تھا نہ مکاں، اچانک ایک دھماکا ہوا اور کائنات وجود میں آ گئی۔

یہ کائنات جس میں ایک سو کروڑ سے زیادہ کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں ایک ارب سے زیادہ ستارے ہیں اور اتنی بڑی ہے کہ روشنی اپنی ایک لاکھ اسی ہزار میل کی رفتار سے اربوں سال بھی سفر کرتی رہے تو دوسرا کنارہ ہاتھ نہ آئے۔ ایک ایسا شاندار متوازن نظام ہے، جس کے زمان و مکان میں ایک ہی قانون کارفرما ہے۔ کبھی نہ ہوا کہ زمین اپنے محور سے ادھر ادھر ہو جائے، سورج، چاند کو اپنی کشش کے بل بوتے پر کھینچ لے یا ستارے اپنا راستہ بھول جائیں۔

سارے کا سارا نظام، ہر جگہ، ہر وقت سبھی کے سبھی ستارے اور سیارے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ زمان و مکان کی قیود سے بالاتر وہی سائنسی قوانین جو زمین پر کارفرما ہیں، دوسری دنیاؤں کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔

کیا یہ کروڑوں، اربوں، کھربوں ستاروں اور سیاروں کا نظام یوں ہی وجود میں آ گیا ہے؟

اس کے پیچھے کوئی ہاتھ نہیں، اس کو کوئی کنٹرول کرنے والا نہیں، یہ بس ایک حادثہ ہے؟

سورج، فضا میں ایک مقرر راستہ پر پچھلے پانچ ارب سال سے چھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے بھاگا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان کے **9** سیارے، **27** چاند اور لاکھوں میٹرائٹ (شہاب ثاقب) کا قافلہ اسی رفتار سے جا رہا ہے۔ کبھی نہیں ہوا کہ تھک کر کوئی پیچھے رہ جائے یا کوئی آگے نکل جائے۔

چاند تین لاکھ **70** ہزار میل دور، زمین پر سمندروں کے پانیوں کو ہر روز دو دفعہ مدوجزر سے ہلاتا رہتا ہے تاکہ ان میں بسنے والی مخلوق کے لیے ہوا سے مناسب مقدار میں آکسیجن کا انتظام ہوتا رہے، پانی صاف ہوتا رہے اور اس میں تعفن پیدا نہ ہو۔

سمندروں کا پانی ایک خاص مقدار میں کھارا ہے۔ پچھلے تین ارب سال سے نہ زیادہ نہ کم نمکین، بلکہ ایک مناسب توازن برقرار رکھے ہوئے ہے تاکہ اس میں چھوٹے بڑے سب آبی جانور آسانی سے تیر سکیں اور مرنے کے بعد ان کی لاشوں سے بو بھی نہ پھیلے۔ ان ہی میں کھاری اور میٹھے پانی کی نہریں ساتھ بہتی ہیں، سطح زمین کے نیچے بھی میٹھے پانی کے سمندر ہیں جو کھاری پانی کے کھلے سمندروں سے ملے ہوئے ہیں، لیکن میٹھا پانی، میٹھا رہتا ہے اور کھاری پانی کھاری، سب میں ایک غیبی پردہ حائل ہے۔

کیا یہ بھی ایک حادثہ ہے، اپنے آپ ہو گیا تھا اور خود بخود قائم ہے، اس کے لیے کسی عقل کی ضرورت نہیں؟

نومولود بچے کو کس نے سمجھایا کہ بھوک کے وقت رو کر ماں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے؟ ماں کو کس نے حوصلہ دیا کہ ہر خطرے کے سامنے سینہ سپر ہو کر بچے کو بچائے؟ ایک معمولی چڑیا شاہین سے مقابلہ پر اتر آتی ہے، یہ حوصلہ اسے کہاں سے ملا؟

حیوانات کے بچے، بغیر سکھائے ماؤں کی طرف دودھ کے لیے کیسے لپکتے ہیں؟ جانوروں کے دلوں میں کون محبت ڈال دیتا ہے کہ اپنی چونچوں میں خوراک لا کر اپنے بچوں کے مونہوں میں ڈالیں؟ ان سب کو کون آداب زندگی سکھاتا ہے؟

لیکن پھر بھی کوئی خدا نہیں؟ یہ سب حادثہ ہے؟

شہد کی مکھی دور باغوں میں پھول پھول سے رس چوس کر نہایت ایمان داری سے لا کر چھتے میں جمع کرتی جاتی ہے، ایک ماہر سائنس دان کی طرح جانتی ہے کہ کچھ پھول زہریلے ہیں اور ان کے پاس نہیں جاتی، ایک قابل انجینئر کی طرح شہد اور موم علیحدہ علیحدہ کرنے کا فن بھی جانتی ہے، جب گرمی ہوتی ہے تو شہد کو پگھل کر بہہ جانے سے بچانے کے لیے وہ اپنے پروں کی حرکت سے پنکھا چلا کر ٹھنڈا کرتی ہے، موم سے ایسا گھر بناتی ہے، جس کو دیکھ کر بڑے سے بڑا آرکیٹیکٹ عش عش کر اٹھتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے منظم طریقے سے کام کرتی ہیں کہ عقل دنگ ہے، ہر ایک میں ایسا راڈار نظام لگا ہوا ہے کہ وہ دور دور نکل جاتی ہیں لیکن اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتیں۔

یہ کیسے ممکن ہوا؟ شہد کی مکھی کو یہ عقل کس نے سکھائی؟

کیا یہ سب محض ایک بے معنی حادثہ کا نتیجہ ہے؟

مکڑا اپنے منہ کے لعاب سے شکار پکڑنے کے لیے ایسا جال بناتا ہے کہ جس کی نفاست اور مضبوطی کو ابھی تک ٹیکسٹائل انجینئر نقل نہیں کر سکے، بڑے سے بڑے کیمسٹ ایسا مضبوط اور نفیس دھاگا بنانے سے قاصر ہیں۔

یہ انجینئرنگ اسے کس نے سکھائی؟

گھریلو چیونٹی (aunt) گرمیوں میں جاڑے کے لیے خوراک کو جمع کرتی ہے، اپنے بچوں کے لیے گھر بناتی ہے، ایک ایسی تنظیم سے رہتی ہے جہاں نظامت کے تمام اصول حیران کن حد تک کارفرما ہیں۔

معاشرتی نظامت کے یہ اصول اسے کس نے سکھائے؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہی ہو گیا؟

کیا زمین اس قدر عقل مند ہے کہ اس نے بھی خود بخود لیل و نہار کا نظام قائم کر لیا، خود بخود ہی اپنے محور پر 1/2 67 ڈگری جھک گئی تا کہ بہار، گرمی، سردی اور خزاں کے موسم آتے رہیں اور انسان کو ہر طرح کی سبزیاں، پھل اور خوراک ملتی رہے؟

نہ صرف یہ بلکہ زمین نے اپنے اندر شمالاً، جنوباً ایک طاقتور مقناطیس بھی خود بخود ہی قائم کر لیا تا کہ اس کے مقناطیسی اثر کی وجہ سے بادلوں میں بجلیاں کڑکیں، جو ہوا کو نائٹروجن کو نائٹرس آکسائیڈ میں بدل کر زمین پر پودوں کے لیے کھاد مہیا کریں، سمندروں پر چلنے والے بحری جہاز، سب میرین (Submarine) اور ہواؤں میں اڑنے والے طیارے، اس مقناطیس کی مدد سے اپنا

راستہ پائیں نیز آسمانوں سے آنے والی مہلک شعائیں اس مقناطیسی قوت سے ٹکرا کر واپس پلٹ جائیں تاکہ زمین پر مخلوق ان کے مہلک اثرات سے محفوظ رہے۔

کیا اس عظیم نظام کے پیچھے کوئی ہاتھ ہے یا یہ سب کچھ بھی فضا اور زمین نے مل کر خود ہی سوچا اور کرلیا؟

پھر دیکھیے! زمین، سورج، ہواؤں، پہاڑوں اور میدانوں نے اپنے آپ ہی سمندروں سے سمجھوتا کرلیا کہ سورج کی گرمی سے آبی بخارات اٹھیں گے، ہوائیں اربوں ٹن پانی کو اپنے دوش پر اٹھا کر پہاڑوں اور میدانوں تک لائیں گی، ستاروں سے آنے والے ریڈیائی ذرے بادلوں میں موجود پانی کو اکٹھا کر کے قطروں کی شکل دیں گے اور پھر میٹھا پانی خشک میدانوں کو سیراب کرنے کے لیے برسے گا۔ جب سردیوں میں پانی کی کم ضرورت ہوگی، ان دنوں یہ پہاڑوں پر برف کے ذخیرے کی صورت میں جمع ہوتا جائے گا، گرمیوں میں جب زیادہ پانی چاہیے تو یہ پگھل کر ندی، نالوں اور دریاؤں کی صورت میں میدانوں کو سیراب کرتے ہوئے واپس سمندروں تک پہنچ جائے گا۔

ایک ایسا نظام جو سب کو پانی دیتا ہے اور کچھ ضائع نہیں جاتا، کیا اس سب کے پیچھے کوئی ڈیزائن بنانے والا نہیں؟

کیا ہماری اپنی زندگی بھی ایک حادثہ ہے؟ ہمارے پنکریے، خون میں شوگر کی ایک خاص مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے، دل کا پمپ ہر منٹ ستر، اسی دفعہ بغیر آرام، بلاتکان 75 سالہ زندگی میں تقریباً تین ارب دفعہ دھڑکتا ہے، ہمارے گردے (Kidneys) ایسے بے مثل فلٹر ہیں جو جانتے ہیں کہ خون میں سے جو مفید ہے وہ رکھ لینا ہے، فضلات کو باہر پھینک دینا ہے۔ معدہ، حیران کن کیمیکل فیکٹری ہے، جو خوراک سے زندگی بخش اجزا مثلاً پروٹین، کاربوہائڈریٹ وغیرہ کو علیحدہ کر کے فضلات کو باہر پھینک دیتا ہے۔

کیا انسانی جسم کے یہ شاہ کار، انجینئرنگ اور سائنس کے یہ بے مثل نمونے، چھوٹے سے پیٹ میں یہ لاجواب فیکٹریاں، یہ سب کچھ بھی ایسے ہی بن گئے، کسی ڈیزائنر، موجد اور خالق کی ضرورت نہیں؟

دماغ کو کس نے بنایا؟ مضبوط ہڈیوں کے خول میں بند، پانی میں یہ تیرتا ہوا عقل کا خزانہ، معلومات کا سٹور، احکامات کا مرکز، انسان اور اس کے ماحول کے درمیان رابطہ کا

ذریعہ، ایک ایسا کمپیوٹر ہے کہ انسان اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کو ابھی تک سمجھ نہیں پایا۔ لاکھ کوششوں کے باوجود انسانی ہاتھ اور ذہن کا بنایا ہوا کوئی سپر سے سپر کمپیوٹر اس کے عشرِ عشیر کی قابلیت کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ یہ کیسے ہوا؟

انسان کا ایک ایک خلیہ (Cell) شعور رکھتا ہے۔ اس کے جینز میں ہماری پوری قسمت لکھی ہوئی ہے اور زندگی اس بند پروگرام کے مطابق خود بخود کھلتی رہتی ہے۔ جسم کا خلیہ خلیہ اپنے وجود میں مکمل شخصیت ہے۔ ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ، ہماری عمر کا سارا حساب، ہماری عقل و دانش، غرض ہمارے متعلق سب کچھ ہمارے خلیات میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ کس نے لکھا ہے؟

حیوانات ہوں یا نباتات، سب کی دنیا میں بیج کے اندر پودے کا پورا نقشہ بند ہے، یہ کیسے ہوا؟

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آنے والا سیل (Cell) ایک مضبوط، توانا، عقل و ہوش والا انسان بن جاتا ہے اور پھر اپنے ہی خالق کے ہونے پر شک کرنے لگتا ہے؟

ہونٹ، زبان اور تالو کے اجزاء کو سینکڑوں انداز میں حرکت دینا کس نے سکھایا کہ آوازیں پیدا ہو سکیں۔ ان آوازوں کو دماغ کے کروڑوں خلیات کے ذریعہ معنی دینا کس نے پڑھایا؟ پُرمعنی الفاظ اور ہزاروں زبانوں کا خالق کون ہے؟

کوئی بھی نہیں، بس ایک حادثہ ہے؟

کائنات ایک انتہائی حساس کارخانہ کی مانند ہے، جس کی ہر چیز ایک خاص حساب اور قواعد کے تحت کام کر رہی ہے، اس کے اٹل قوانین ہیں، جن کے بارے میں سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اگر ان میں انتہائی معمولی تفاوت بھی آ جائے تو کائنات ختم ہو جائے۔

کشش ثقل، ایٹم کے اندر مقناطیسی طاقت کی نسبت کئی گنا کمزور ہے، اگر یہ تھوڑا سا بھی زیادہ ہوتی تو کائنات کب کی ختم ہو گئی ہوتی اور اگر تھوڑا سا کم ہوتی تو ابھی تک فضا دھویں سے بھری ہوتی۔ اگر ایٹم کے اندر الیکٹران کا چارج پروٹون کی نسبت اربواں حصہ بھی کم ہوتا تو کوئی نباتاتی اور حیوانی زندگی ممکن نہ ہوتی۔ غرض قدرتی طاقتوں میں ذرہ برابر تفاوت کائنات کے نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس انتہائی باریک حساب کے پیچھے کوئی ذی شعور حساب دان بھی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ بے جان ایٹموں نے باہمی مشورہ سے یہ سب کچھ خود

ہی ڈیزائن کرلیا ہو، خود ہی بنالیا ہو اور خود چلا لیا ہو؟

سائنس نے ابھی تک جدھر بھی دیکھا ہے، ایٹم کا جگر ہو یا کہکشاؤں کا عظیم تر نظام، ہر چیز کے اندر اپنا اپنا کلاک بند ہے۔ ستارے انہی کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، چاند اپنے کلاک کے مطابق 27 1/4 دنوں کے بعد اپنے محور پر ایک چکر کاٹتا ہے، سورج ہر گیارہ سال کے بعد تاؤ میں آتا ہے، زمین ایک سال کے بعد اپنی پہلی حالت پر واپس آجاتی ہے، 24 گھنٹوں میں اپنے محور پر ایک دفعہ گھوم کر اپنے اوپر چپہ چپہ کو دن رات بخشتی ہے، جانور اپنے اندرونی کلاک کے مطابق اپنی افزائش نسل کا انتظام کرتے ہیں، آدمی بھی پیدائش سے قبر تک اپنے اندر کے کلاک کی ٹک ٹک پر زندگی کے مختلف ادوار سے گزرتا ہے، ریڈیائی عناصر ایک مقرر حساب کے مطابق ہر آن شعاؤں کو چھوڑتے ہیں۔ یوں کائنات کا ہر نظام اپنے اپنے پروگرام کا پابند ہے، یہاں ہر ایک اپنے مقرر راستہ پر چل رہا ہے۔

کیا یہ عظیم الشان پروگرام محض ایک حادثہ ہے؟

کون ہے وہ جس نے سات سو میل اوپر زمین کو اوزن گیس (Ozon Gas) کا غلاف اُڑھا دیا، تاکہ سورج کی طاقت ور الٹرا وائلٹ شعاؤں کو نیچے آنے سے روک دیا جائے، تاکہ حیوانی زندگی کو قائم رکھا جاسکے؟

کون ہے وہ جو اس مضبوط آسمانی نظام کو کروڑوں سالوں سے قائم رکھے ہوئے ہے، جس میں دراڑ آجائے تو زندگی بھسم ہو کر رہ جائے؟

کون ہے وہ جس نے زمین اور سورج کے درمیان انتہائی مناسب فاصلہ قائم کیا، تاکہ زندگی پھلے پھولے؟ کیا یہ سب کچھ کسی حادثہ کا نتیجہ ہے؟

کیا زمین کے اوپر سینکڑوں میل تک ہوائی نمدہ کی تشکیل بھی ایک حادثہ ہے تاکہ زمین کی طرف روزانہ آنے والے لاکھوں شہاب ثاقب اس پر پہنچنے سے پہلے جل کر بھسم ہو جائیں، موسم بدلتے رہیں، بارشیں ہوتی رہیں اور سورج کی گرمی، زمین کو مناسب درجۂ حرارت پر رکھے؟

کیا یہ بھی حادثہ ہے، جس نے درختوں کو سکھا دیا کہ سورج سے روشنی، ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور زمین سے پانی لے کر اپنے جسم بناؤ اور اس کے بدلے ہوا کو آکسیجن دو، جو حیوانی زندگی کے لیے ضروری ہے؟

کیا یہ بھی حادثہ ہے، جس نے ایک ہی پانی، ایک ہی زمین اور ایک ہی سورج کی توانائی سے لاکھوں مختلف قسم کی نباتاتی مخلوق کو پیدا کر دیا؟

کیا یہ بھی حادثہ ہے، جس نے زمین کو انسان کے لیے ہر طرح کے معدنیات، نباتات اور حیوانات سے بھر دیا؟

کیا یہ بھی حادثہ ہے کہ ہر دو انسان مختلف ہیں، حتی کہ اربوں انسانوں میں سے کسی دو کی انگلیوں کے نشان نہیں ملتے، کسی کی کسی سے شکل نہیں ملتی، ہر ایک کی اپنی اپنی فضیلت اور عقل ہے لیکن اس قدر تفاوتوں کے باوجود آدمیت میں سب یکساں ہیں؟

اگر پھر بھی آپ شک میں ہیں تو اس عالی شان نظام کو کون برقرار رکھ رہا ہے؟ کیا یہ بھی ایک حادثہ ہے؟

انسان کی بنائی ہوئی معمولی سی مصنوعات کے لیے بھی کوئی ڈیزائنر، کوئی کاریگر، کوئی خالق چاہیے، لیکن یہ لامحدود کائنات، اپنی تمام تر رنگینیوں کے باوجود یوں ہی بن گئی تھی؟

انسان کے اپنے بنائے ہر نظام کو چلانے کے لیے کسی سپر وائزر کی ضرورت ہے، لیکن یہ لامحدود وسعت اور پیچیدگی والا کائناتی نظام بغیر کسی ہمہ وقت حاضر، مستعد، قدیر، حکیم، بصیر، علیم ہستی یوں ہی چلتا ہے؟ کیا آپ کی عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے؟

تسلیم کرو یا نہ کرو، کائنات کا ایٹم ایٹم پکار پکار کر یہ باور کراتا ہے کہ اس کو کوئی بنانے والا ہے، کوئی چلانے والا ہے، کوئی سنبھالنے والا ہے۔ اس کی ہستی سے انکار نا ممکن ہے۔

وہی ہے اللہ

رب کائنات، بے مثال ذات پاک، جو اپنی تمام تر تخلیقات سے یکتا، ہر جگہ موجود، ہر چیز کا محافظ، ہر آن سے واقف، ہر آہٹ کا سننے والا، زمان و مکان کا خالق، عقل کل، سراسر علم۔

وہ جس نے ہر چیز کو محیط کیا ہوا ہے-----

وہ جو ہر جگہ، ہر آن موجود ہے-----

وہ جو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے-----

وہ جو محبت کا سر چشمہ ہے-----

وہ جو اپنے نہ ماننے والوں کو بھی پالتا ہے-----

وہ جو اول بھی ہے اور آخر بھی-----

وہ جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی-----

اپنی ذات میں بے مثل، لامنتہی، کمال میں لا جواب-----

وھی ھے اللہ

کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی کا گواہ ہے، پھول ہو کہ پتی، ریت کا ذرہ ہو یا پانی کی بوند، آسمان ہو یا زمین، سبھی اس کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں، سبھی اس کے حکم کے منتظر ہیں، اس کے قوانین کے پابند ہیں۔ وہی سب کا خالق، سب کا پالن ہار، سب کا حساب لینے والا، سب کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے والا ہے، سب کے اندر، سب کے باہر، جس کا حکم ہر جگہ، ہر وقت کارفرما ہے۔ بنانے کے لیے، پہنچنے کے لیے، کنٹرول کے لیے، نہ اسے وقت چاہیے نہ جگہ۔ زمان ہے کہ مکان، توانائی ہے کہ مادہ، سبھی اس کی صفات کے مظہر ہیں۔

وھی ھے اللہ

عجیب بات ہے کہ اس کی حکومت میں رہتے ہوئے ہم اسی سے سرکشی کرتے ہیں۔

میرے دوست! آؤ کہ ہم دل و جان سے مان لیں اور خوب پہچان لیں کہ ہمارا رب، ہمارا پالن ہار، ہمارا دوست، ہمارا مالک، وہ جس کی طرف سے ہم آئے ہیں اور جس کی طرف ہم نے واپس جانا ہے، اللہ ہے۔

وہی اللہ جو کائنات کے اندر اور باہر ذرے ذرے کو محیط کیے ہوئے ہے۔ ہر چیز کا ماضی، حال اور مستقبل اس کے سامنے ہے، اس کے ماسوا کوئی طاقت اور قوت نہیں۔ ساری کی ساری کائنات اس کے ''کُن'' کے اشارے پر معرض وجود میں آگئی۔ جس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ کائنات اس کی مٹھی میں ہے۔

وھی ھے اللہ

جو باوجود اپنی لاانتہا عظمت، شان و شوکت، قدرت اور طاقت کے اپنے بندوں سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ ماں کا پیار اس کے پیار کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ رحمت اس نے اپنے اوپر لازم کر لی کہ اپنے باغیوں کی بھی برابر پرورش کرتا ہے۔ صبر کا یہ حال ہے کہ شیطان جیسے باغی کو بھی پوری مہلت دیتا ہے، کرم کی یہ شان ہے کہ بنی آدم، خواہ مومن ہو یا کافر، اس کو مکرّم بنا دیا۔ حلیم اتنا کہ

انسان کو جب نیک اعمال کا مشورہ دیتا ہے تو کہتا ہے کہ تم مجھے یہ قرض دے رہے ہو۔ معاف کرنے والا ایسا کہ باغی سے باغی شرم سار ہو کر جب ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو وہ دس قدم آگے بڑھ کر اس کی عزت افزائی کرتا ہے۔

وھی ھے اللہ

جس کی قربت ایسی کہ شاہ رگ سے قریب تر ہے۔ پیار ایسا کہ زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں۔ محبت ایسا کہ مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ منصف ایسا کہ زمین و آسمان اس کے سامنے کانپتے ہیں۔ جابر ایسا کہ جس کے سامنے کسی کی سفارش کام نہیں کرتی، جب تک وہ خود نہ چاہے۔ ہستی ایسی کہ وہ سب کو دیکھتا ہے، لیکن کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

وھی ھے اللہ

واحد، یک تا، اپنی مخلوق سے بے نیاز، ہر نقص سے پاک، اپنی حقیقت میں بے مثال، کمال میں لاجواب، اٹل اور مکمل، نہ وہ پیدا کیا گیا، نہ اس نے اپنی ذات سے کسی کو پیدا کیا، وحدہٗ لاشریک، زمان و مکان سے بالاتر، جس کا کوئی ہم سر نہیں۔ الفاظ جس کی شان و شوکت کو بیان نہیں کر سکتے، لیکن ذرہ ذرہ اس کی پہچان ہے، نغمہ نغمہ اس کی آواز ہے۔ بہترین ساتھی، لازوال دوست، نور ہی نور، بے آباد دلوں کو آباد کرنے والا، گمراہوں کو ہدایت دینے والا، کرم کا بادشاہ۔

وھی ھے اللہ

کیسی عجیب بات ہے دوست! کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن اس کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے؟ انسانی معاشرہ کے لیے قانون اور انصاف کی عدالتوں کا تقاضا کرتے ہیں لیکن اس کے انصاف اور حساب کتاب کا نہیں سوچتے؟ اس کی سلطنت میں رہتے ہیں لیکن اس کے قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔ سائنس کی تو یہ بات مانتے ہیں کہ کائنات میں ہر چیز با مقصد ہے لیکن اپنی حیات کے مقصد کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔

سورج اپنا کام کر رہا ہے، زمین اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، سمندر اپنا فرض ادا کرنے میں مستعد ہیں، ہوائیں اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں، غرض یہاں کوئی نہیں جو اپنے مقصد حیات کو پورا نہ کر رہا ہو۔ عجیب بات ہے کہ ہم اپنے مقصد حیات سے بے خبر ہیں۔

پندرہ ارب سال کی بات ہے کہ زمین و آسمان کے سب عناصر کا آغاز ہائیڈروجن کے

سادہ عنصر سے ہوا، پھر اربوں سالوں پر محیط عرصہ میں ایٹمی دھاکوں کے عمل سے ستاروں میں پیچیدہ سے پیچیدہ تر عناصر کی تخلیق ہوتی رہی۔ ایک سے دو، دو سے تین، تین سے چار اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ یوں وہ عناصر جن سے ہماری زمین کو تخلیق ہونا تھا، ہمارے اجسام کو تشکیل پانا تھا، ان کو بنانے کے لیے خالق کائنات ستاروں کو یکے بعد دیگرے دھماکہ سے اڑاتا رہا، پھر اربوں میلوں پر بکھرے ہوئے ان اجزاء کو اکٹھا کیا، اربوں ستاروں اور بے شمار سیاروں اور زمین کو انسان کے استقبال کے لیے بنایا، جو قرآن مجید کے مطابق کائنات کی غرض و غایت ہے، ڈیزائن میں قدیم ترین اور ظہور میں جدید ترین اور اپنی صفات میں احسن تقویم ہے، لیکن اگر ہوش سے کام نہ لے گا تو ''اسفل سافلین'' ہے۔

میرے بھائی! میری بہن! میرے دوست! یاد رکھو کہ:

زندگی، زمین کے نہیں آسمان کے لیے ہے، یہ جسم کے لیے نہیں، روح کو سنوارنے کے لیے ہے۔ ہمارا اصلی گھر زمین پر نہیں، جنت میں ہے، لیکن وہاں کامیاب ہو کر وہی جا سکے گا جو زمین سے دل لگانے کی بجائے آخرت کی فکر کرے گا، جو شیطان سے بچ بچ کر رحمان کے سامنے جھکے گا۔

یہی ہے مقصد حیات

قربان جایئے اپنے رب کی مہربانی پر کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں جب اس نے اپنی طرف بلانے کے لیے انسان کی رہنمائی نہ کی ہو۔ وہ ذات پاک ہماری فلاح کے لیے مسلسل اپنے خاص بندے بھیجتی رہی، جنہیں ہم اللہ کے نبی اور رسول کہتے ہیں۔ جب انسانی تہذیب اللہ ﷻ کے پیغام کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے کے قابل ہوگئی تو اس نے اپنا آخری پیغمبر ﷺ بھیج دیا، جنہوں نے لوگوں کو اسلام پر بلایا، وہی اسلام جو آپ ﷺ سے پہلے تمام نبیوں کا دین تھا، وہ دین جس پر اللہ ﷻ نے انسان کی فطرت کو بنایا ہے۔ آیئے! اس دین کو روح اور دل میں سما لیں۔

یہی ہے مقصد حیات

اس دین فطرت کا منبع قرآن کریم ہے، صراطِ مستقیم کی درخشندہ کتاب، حق و باطل کے معیار کا پیمانہ، تمام نبیوں کی تصدیق کرنے والا، ایک اللہ کے نام پر سب کو اکٹھا کرنے والا، خاندانی نظام، معاشرہ کے سکھ چین، انسانی تہذیب کی سلامتی اور انسانی حقوق کی ضمانت، انسانیت کی وحدت کی بنیاد، دنیا کی زندگی کو جنت بنانے والا اور آخرت میں جنت میں لے جانے والا۔ یہ ہے وہ قرآن۔

یہی نجات کا راستہ ہے

میرے دوست! جس کسی نے بھی قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی اتباع کی، وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوا۔ جس نے بھی خلوص کے ساتھ سیدھے راستے کو تلاش کیا، وہ کامیاب ہوا، لیکن جو اپنی فطرت کے خلاف گیا، وہ جنت کے راستے سے ہٹ کر جہنم کی طرف چل پڑا۔ اے زمان ومکان کے مسافرو! اے میرے پیارے ساتھیو!

زندگی کا حاصل ''لبیک'' میں ہے

لبیک، اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمة لک و الملک، لا شریک لک، لبیک اللھم لبیک، لبیک......-----

''حاضر ہوں، میرے مولا میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، بے شک ہر طرح کی ستائش اور حکومت تیرے ہی لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، مولا میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں''-----

اللہ ﷻ کے حضور قلب کی اس حاضری ہی میں سب کچھ ہے، جس کا کوڈ ورڈ (Code Word) ہے:

''لا الٰه الا اللّٰه محمّد رسول اللّٰه''-----

تسلیم ورضا کے ساتھ جب کوئی بندہ یہ کلمہ پڑھتا ہے تو اسے حاضری نصیب ہو جاتی ہے، اس لیے بار بار کہو، ہزار بار کہو:

''لا الٰه الا اللّٰه محمّد رسول اللّٰه''-----

''لا الٰه الا اللّٰه محمّد رسول اللّٰه''-----

''لا الٰه الا اللّٰه محمّد رسول اللّٰه''-----

اسی میں نجات ہے، اسی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے، یہی رحمۃ للعالمین ﷺ کا پیغام ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا﴾-----

''اے نوعِ انسانی! کہو، کوئی خدا نہیں مگر اللہ، فلاح پاؤ گے''-----



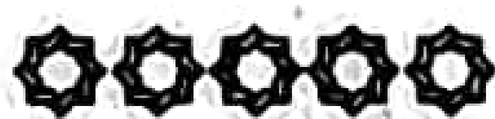
شانِ کریمی

حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ

انسان کو اللہ کریم نے جو نعمتیں بخشی ہیں، ان کا شمار ممکن نہیں--- انسان تو ابھی تک اپنے وجود کے اندر پرورش پانے والے افکار و خیالات کی بوقلموں تصویروں کا احاطہ نہیں کر سکا--- وہ قدرت کے مظاہر کو کیا سمجھے گا اور کیا شمار کرے گا؟--- کیا آسمان پر بکھرے ہوئے ستاروں کا شمار ممکن ہے؟--- نفس کی آمد و شد کا حساب کیا جا سکتا ہے؟--- زندگی سراسر انعامات ربانیہ سے عبارت ہے اور کسی ایک انعام کا تفصیلی احاطہ بھی ممکن نہیں--- درخت، پہاڑ، صحرا، دریا، پھول، پھل، پتے اور ان کی رعنائیاں اور زیبائیاں کیا لاحاصل ہیں؟--- زندگی سے ان کا کوئی سروکار نہیں؟--- ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی بے فائدہ کہا جا سکتا ہے؟--- غرض یہ کارخانہ قدرت اور ہر چیز انسان کے محسوس اور غیر محسوس منافع اور فوائد کے لیے ہے--- کائنات کی جن بے کراں نعمتوں کو ہم بے کراں جانتے ہیں، خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے کلام میں قلیل کہا ہے--- ارشادِ ربانی ہے کہ متاعِ دنیا قلیل ہے--- کثیر، خدا تعالیٰ کے نزدیک ذاکرین کا ذکر ہے--- ذاکرین کے

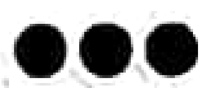
ذکر ہی کو قرآن میں کثیر کہا گیا ہے--- ظاہر ہے کہ مختصر سی زندگی میں خدا کی جو یاد کی جائے گی، وہ بہت قلیل ہوگی--- گنے چنے انفاس کے دامن میں یاد کی کتنی پونجی سما سکتی ہے؟--- لیکن کہا یہ جارہا ہے کہ بندے! یہ کم نہیں ہے، بہت ہے--- قلیل نہیں، کثیر ہے--- اور اپنے تمام تر انعامات کو قلیل کہا جارہا ہے--- یہ کیوں؟---

محبت کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنی عطا کو قلیل اور دوست کی عطا کو کثیر جانتی ہے--- کبھی محبت کا تحفہ لانے والے کی اس لیے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ بارگاہ کی عظمت اور تحفے کی فرومائیگی کو دیکھ کر خجالت محسوس نہ کرلے، شرمائے نہیں--- یہ کریموں کی عادت ہے اور ذاکرین کے ذکر کو کثیر کہہ کر بھی اسی شان کریمی کا اظہار کیا جارہا ہے تاکہ ان کے حوصلے فزوں ہوں---



مناجات

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ
عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ
بیٹھوں جو درِ پاک پیمبر کے حضور
ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ



نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہو گا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف
جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی



کیا اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہنا جائز ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی

اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء اور صفات جن کا ذکر قرآن اور سنت میں وارد نہیں ہوا' ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر زبان اور لغت میں عَلَم اور اسم سے تعبیر کرنا جائز ہے' مثلاً فارسی میں اللہ تعالیٰ کو خدا' ترکی میں تنگری کہنا بالاتفاق جائز ہے' البتہ جب اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق کیا جائے تو پھر یہ بحث ہے کہ آیا اس صفت کا کتاب و سنت میں ذکر ہے یا نہیں ہے؟ اگر اس کا کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو تو بعض علماء اس میں توقف کرتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ کسی نقص کا موہم ہے تو پھر اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں

ہے اور اگر اس لفظ میں کسی نقص کا وہم نہیں ہے تو پھر اس کا اطلاق جائز ہے' جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب متکلمین اور مفسرین کے حوالوں سے بیان کریں گے-----

ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا العیاذ باللہ گناہ اور عذاب خداوندی کا موجب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو' توقیفی اور غیر توقیفی کی بحث صفات میں ہے' اسماء اور اعلام میں نہیں ہے جیسا کہ علامہ نووی (۱) اور قاضی عیاض (۲) وغیرہ کا بیان ہے-----

عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام علماء' اللہ پر لفظ خدا کا اطلاق کرتے رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عہد صحابہ میں ان لوگوں کے لئے فارسی میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی' جو عربی میں اچھی طرح نماز نہیں پڑھ سکتے تھے-----

علامہ سرخسی لکھتے ہیں :

و لو کبر بالفارسية جاز عند ابی حنيفة رحمه الله بناءً علی اصله لان المقصود هو الذکر و ذلك حاصل بکل لسان..........
استدل بما روی ان الفرس کتبوا الی سلمان رضی الله تعالیٰ عنه ان يکتب لهم الفاتحة بالفارسية-----(۳)

"اگر فارسی میں تکبیر تحریمہ پڑھی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے' کیوں کہ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' خواہ کسی زبان میں

ہو............امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ ان کے پاس سورہ فاتحہ فارسی میں لکھ کر بھیجیں............"-----

اور علامہ قاضی خان اوز جندی لکھتے ہیں :

ولو قال بالفارسية خدائے بزرگ است او قال خدائے بزرگ او قال بنام خدائے بزرگ يصير شارعا فی الصلوة فی قول ابی حنيفة-----(۴)

"اگر فارسی میں "خدائے بزرگ است" یا "خدائے بزرگ" یا "بنام خدائے بزرگ" کہا تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق اس کا نماز میں شروع ہونا صحیح ہے"-----

ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

ولو افتتح الصلوة بالفارسية بان قال خدائے بزرگ تر او خدائے بزرگ يصير شارعا عند ابی حنيفة-----(۵)

"اگر فارسی میں نماز پڑھنی شروع کی اور خدائے بزرگ تر یا خدائے بزرگ کہا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا نماز میں شروع ہونا صحیح ہے"-----

علامہ بدر الدین عینی ہدایہ کی شرح میں لکھتے ہیں :

وان افتتح الصلوة بالفارسية بان قال موضع الله اكبر خدائے بزرگ و سمی بالفارسية بان قال بنام خدائے بزرگ اجزأه عند ابی

حنیفة-----(٦)

"اگر کسی نے فارسی میں نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کی جگہ خدائے بزرگ کہا یا فارسی میں بسم اللہ پڑھی بایں طور کہ بنام خدائے بزرگ کہا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز جائز ہے"-----

تکبیر تحریمہ کو غیر عربی میں کہنے کے متعلق علامہ ابن قدامہ کا بھی یہی موقف ہے وہ لکھتے ہیں :

لان التکبیر ذکر اللّٰہ و ذکر اللّٰہ تعالیٰ یحصل بکل لسان-----(٧)

"کیونکہ تکبیر اللہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر زبان سے حاصل ہوتا ہے"-----

ان حوالہ جات کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے اور ہر دور میں ائمہ و فقہاء اللہ تعالیٰ کی ذات کو خدا سے تعبیر کرنے کو جائز کہتے رہے ہیں۔ ہر چند کہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لفظ اللہ سے ہی تعبیر کیا جائے' لیکن اللہ تعالیٰ کو خدا سے تعبیر کرنا بھی جائز ہے اور اس کا مسئلہ توقیف سے کوئی تعلق نہیں۔ اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق اجماعاً جائز ہے اور جس کے جواز پر اجماع ہو' وہ غیر توقیفی نہیں ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اطلاق کے جواز اور عدم جواز کی یہ بحث صفات میں ہے' اسماء اور اعلام میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کے اطلاق کے لئے ثبوت شرع کی ضرورت ہے اور اس کی

ذات کو کسی اسم سے تعبیر کرنے کے لئے ثبوت شرع کی احتیاج نہیں ہے-----

جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کیا جائے' ان کا کتاب و سنت میں مذکور ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ پر اسماء کا اطلاق کرنا توقیفی ہے' یعنی شارع کی اجازت پر موقوف ہے اور یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے' جن کا اطلاق مختلف لغات میں اس کی ذات پر کیا جاتا ہے۔ بحث صرف ان اسماء میں ہے جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں"-----(۸)

علامہ شعرانی اس بحث میں فرماتے ہیں :

"یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے' جن کا اطلاق مختلف لغات میں اس کی ذات پر کیا جاتا ہے۔ بحث صرف ان اسماء میں ہے' جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"آپ کا رب' رب العزت (مشرکین کی) بیان کردہ صفات سے پاک ہے"

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مشرکین کی بیان کردہ صفات سے منزہ فرمایا ہے' اپنی ذات پر ان کے اطلاق کردہ اسم سے منزہ نہیں فرمایا"-----(۹)

علامہ سیالکوٹی فرماتے ہیں :

"جان لو کہ مختلف لغات میں جو اسماء اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے موضوع ہیں' ان کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف ان اسماء میں ہے جو اس کی صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں"۔۔۔۔۔(۱۰)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

"جس لفظ کے اطلاق کی شارع کی طرف سے نہ اجازت ہو نہ شارع نے منع کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس لفظ کے معنی کے ساتھ متصف ہو اور وہ لفظ کسی لغت میں اللہ تعالیٰ کا عَلَم (نام) نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کے اطلاق میں علماء کا اختلاف ہے' جو لفظ کسی لغت میں اللہ تعالیٰ کا عَلَم (نام) ہو' اس کے اطلاق میں کسی کا اختلاف نہیں ہے"۔۔۔۔۔(۱۱)

علامہ پرہاروی لکھتے ہیں :

"جان لو کہ مسئلہ توقیف میں بہت اختلاف ہے۔ بعض محققین نے کہا کہ جو اسماء مختلف لغات میں اللہ تعالیٰ کے لئے عَلَم (نام) ہیں' جیسے فارسی میں لفظ خدا اور ترکی میں تنگری' ان کے اطلاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ وہ اسماء جو صفات سے ماخوذ ہیں' ان کے اطلاق میں اختلاف ہے' معتزلہ اور کرامیہ نے کہا' جس لفظ کے معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا عقلاً معلوم ہو' اس کا اطلاق جائز ہے' خواہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو اور ایک قوم نے کہا' جو الفاظ اسماء شرعیہ کے مترادف ہیں ان کا اطلاق جائز ہے' ماسوا ان الفاظ کے جو قوم کفار کے ساتھ خاص ہیں"۔۔۔۔۔(۱۲)

خاص طور پر لفظ خدا کے بارے میں متکلمین اور مفسرین نے جواز کی تصریح کی ہے، علامہ پرہاروی شرح عقائد کی شرح میں لفظ خدا ذکر کرتے ہیں :

فان قیل کیف صح اطلاق الموجود و الواجب و القدیم و نحو ذلك كلفظ خدا بالفارسية مما لم يرد به الشرع قلنا بالاجماع-----(۱۳)

"اگر کہا جائے کہ موجود، واجب اور قدیم اور ان کی مثل الفاظ مثلاً فارسی میں لفظ خدا کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیسے جائز ہو گا، ہم کہیں گے کہ یہ اطلاق اجماع سے ثابت ہے"-----

علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

و مال اليه القاضى ابو بكر شيوع اطلاق نحو خدا و تنكرى من غير نكير فكان اجماعاً و الاجماع كاف فى الاذن الشرعى اذا ثبت-----(۱۴)

"اور قاضی ابو بکر کا بھی اسی طرف میلان ہے کیوں کہ مثل لفظ خدا اور تنکری کا اطلاق بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے اور اجازت شرعیہ کے لئے اجماع کافی دلیل ہے"-----

ہر چند کہ سطور بالا میں پیش کیے گئے دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق جائز ہے، لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ ہی کا لفظ استعمال کیا جائے کیوں قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہی لفظ استعمال

کیا گیا ہے-----

اللہ میاں کہنا ناجائز ہے

عام طور پر ہمارے ہاں بعض لوگ اللہ میاں یا اللہ سائیں بھی کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے لئے میاں یا سائیں کا لفظ استعمال کرنا ناجائز ہے کیوں کہ میاں شوہر' بوڑھے شخص اور دلال کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور سائیں فقیر یا غریب اور سادہ لوح آدمی کو کہتے ہیں اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جو الفاظ نقص کے موہم ہوں' ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز نہیں ہے اور جو دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں' ان میں اس بات کو سمجھنے کے لئے وافر روشنی موجود ہے-----

حواشی

۱...... علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' جلد ا' صفحہ ۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

۲...... علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' جلد ۷' صفحہ ۳۹-۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

۳...... علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' جلد ۱' صفحہ ۳۶-۳۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۴...... علامہ حسن بن منصور اوز جندی حنفی معروف بہ قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الہندیہ' جلد ا' صفحہ ۸۶' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ

۵...... علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع' جلد ا' صفحہ ۱۳۱' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ

۶...... علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ 'البنایہ' جلد ا' صفحہ ۶۰۵' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' لکھنو

۷...... علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ 'المغنی' جلد ا' صفحہ ۲۷۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۸...... علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ 'شرح مواقف' صفحہ ۶۵۸' مطبوعہ نولکشور' ہند

۹...... علامہ عبد الوہاب شعرانی شافعی' متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت و الجواہر' جلد ا' صفحہ ۸۲-۸۳' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر

۱۰...... علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی' متوفی ۱۰۶۷ھ' حاشیۃ السیالکوٹی علی الخیالی' صفحہ ۷۲' مطبوعہ مطبع یوسفی' لکھنو

۱۱...... علامہ سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ 'روح المعانی' جلد ۹' صفحہ ۱۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت

۱۲...... علامہ عبدالعزیز پرہاروی' متوفی ۱۲۳۹ھ 'نبراس' صفحہ ۱۷۳-۱۷۴' مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی' بندیال

۱۳...... ایضاً' نبراس' صفحہ ۱۷۲-۱۷۳

۱۴...... علامہ سید محمود آلوسی' متوفی ۱۲۷۰ھ 'روح المعانی' جلد ۹' صفحہ ۱۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت



inpage/mazhar.INP

یادوں کے دیپ

حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ

انسان کی تخلیق عبادت کے لئے ہوئی ہے اور عبادت وہی مقبول ہو سکتی ہے جو معبود کی عظمتوں کو جاننے اور پہچاننے کے بعد کی جائے----- عبادت لذت حضوری کا دوسرا نام ہے-----جو عبادت حضور قلب کے بغیر ہو گی' وہ جہالت کا نتیجہ تو کہلا سکتی ہے' معرفت کا ثمر نہیں ہو سکتی' اس لئے عبادت سے پہلے عرفان ذات کو ضروری قرار دیا گیا ہے' اور حضور قلب کے بغیر کی جانے والی عبادت کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اسے خسران اور نقصان کا ذریعہ بتایا گیا ہے----- عبادت ایک ایسا پل ہے' جس سے گذر کر عابد' معبود سے مل سکتا ہے----- عابد و معبود کی ملاقات ہی کا نام عبادت ہے----- اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین کہا گیا ہے-----اس لئے کہ نماز میں انسان کے تمام اعضاء وجوارح عابد بن جاتے ہیں-----احساسات کی دنیا بیدار ہو جاتی ہے اور بیداری ہی میں کسی ذی عظمت ذات کی ملاقات کا مزا آسکتا ہے-----سوئے ہوئے انسان سے تو کوئی انسان بھی ملنے کے لئے نہیں آتا' اپنے خالق و مالک سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ نیند کے متوالے اور غافل انسان کے پاس آکر جلوے بکھیرنے لگے گا----- جلوہ تو دید کا حق ہے-----احساس کی لذت ہے----- شعور کو مست کر دینے والا جام ہے----- غفلت میں اس جام کی مستی کا کیا

لطف حاصل ہو سکتا ہے ؟---- لطیف ذات کے جلوے چونکہ روح و قلب کی پیداوار ہوتے ہیں اسی لئے روح و قلب کی بیداری کو عبادت میں اولیت کا مقام حاصل ہے----- محبت چونکہ ازل سے بیدار ہے-----اس پر کسی حال میں غفلت طاری نہیں ہوتی----- بیداری میں بھی وہ محبوب کے حُسن و جمال کی ذاکر رہتی ہے اور خواب میں بھی جمال یار کے پرتو دیکھتی ہے' اسی لئے اس کے بغیر عبادت لذت و کیفیت کا گہوارہ نہیں بن سکتی---- عقل کی عبادت اور دل کی عبادت میں فرق ہے----- عقل عبادت کے آداب سے واقف نہیں' اسی لئے لذت سے خالی رہتی ہے-----اور محبت سراسر عبادت ہے----- عقل' معینہ اوقات میں بھی اختصار چاہتی ہے' وہ بچنے کی کوشش کرتی ہے اور محبت ازلی ذاکر ہے---- اس کی عبادت کے اوقات متعین نہیں' وہ ہمہ وقت عابد رہنا چاہتی ہے----وہ ذاکر ہے' اس کا ذکر محدود نہیں-----اس کی زبان بھی ذاکر ہے اور خیال بھی----ذکر ہی میں وہ تسکین پاتی ہے----یاد اس کی عبادت ہے اور ذکر تسبیح و مناجات----- تسبیح و مناجات سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہو جائے' تو تڑپ اٹھتی ہے' اس کا جہان ویران ہو جاتا ہے-----ہر ذات کو اپنے جمال کا ذاکر پسند ہوتا ہے---- صحابہ' خدا کو اسی لئے پسند تھے کہ وہ کثیر ذکر کرتے تھے' کثرت سے یاد میں رہتے تھے----یاد' دل کا ذکر ہے اور جب دل ذاکر بن جائے تو پھر مذکور دل سے جدا نہیں ہوتا' دل میں تسکین بن کر آبیٹھتا ہے----- نئے نئے جلووں سے دل کو زندگی بخشتا ہے-----دل کی زندگی یاد الٰہی ہے-----یاد جتنی قوی اور مضبوط ہوگی' اسی نسبت سے زندگی عطا کرے گی----

صحابہ کے دل اسی لئے قوی تھے کہ وہ ذاکر تھے' شاغل تھے' عابد تھے' ساجد تھے----- جبیں کا سجدہ رد ہو سکتا ہے' لیکن دل کا سجدہ رد نہیں ہوتا' کیونکہ وہ محبت کی کھوکھ سے جنم لیتا ہے اور اس میں ریا کا شائبہ نہیں ہوتا-----ریاکار تو عقل ہے' دل نہیں----- عقل عابد بن کر بھی ریاکاری سے باز نہیں آتی' دھوکہ دینا چاہتی ہے' کیونکہ وہ دھوکے باز ہے اور دل

شہید نازین جانے کے بعد دھوکہ نہیں دیتا' بلکہ محبت کی راہ میں دھوکہ کھانے سے اسے مزہ آتا ہے-----وہ یار کی ہر بات میں تاویل کرتا ہے-----کوئی بات مزاج کے خلاف بھی ہو تو وہ یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ یار تو ایسا جفاکار نہ تھا' مجھی سے کوئی خطا ہو گئی ہو گی' جس کی سزا بھگت رہا ہوں اور یہی حسن ظن اسے محبوب کی بارگاہ میں اور زیادہ مقرب بنا دیتا ہے اور زیادہ قرب عطا کرتا ہے-----سوء ظن میں مبتلا ہو جانے سے کسی ذات کا قرب نہیں ملتا----- قرب خوش گمانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور خوش گمانی تعلق کے استحکام سے پیدا ہوتی ہے-----محبت ازل سے اسی لئے مقبول ہے کہ وہ خوش گمان ہے-----محبوب کی ذات پر بدگمانی کرنا جانتی ہی نہیں-----اس عذاب میں مبتلا تو عقل ہے' جو خوش گمانی کو سادہ لوحی کا نام دے کر پھبتیاں کستی ہے-----اسی لئے محبت کی راہ میں دھوکہ کھانے کی لذت سے محروم ہے-----

یار کا پیغام نہ بھی آئے تو محبت یہ کہہ کر دل کو تسلی دینے لگتی ہے کہ میرا خط نہ پہنچا ہو گا' ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ دوست میری پریشانی سے آگاہ ہو کر حال پوچھنے کے لئے نہ آتا-----وہ اور پیغام بھیجتی ہے' اور نامے لکھتی ہے-----اس کا انتظار سراسر لذت ہوتا ہے-----ہر آہٹ پر اسے یار کے آنے کا گمان گذرنے لگتا ہے اور عقل ان لذات کا مزہ نہیں چکھ سکتی-----

عارفینِ حق کا انتظار بھی رحمت ہوتا ہے-----وہ انہیں اور مسرور کر دیتا ہے اور ان کی پکار کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے----- اور عقل کی پکار ایسے عالم میں طویل نہیں ہوتی-----وہ یاد کی بساط لپیٹ دیتی ہے-----اس کی ظرف میں یاد کی بساط کو پھیلانے اور وسعتیں دینے کی گنجائش نہیں' اس لئے کہ اس کا ظرف محدود ہے-----اس کی دنیا تنگ ہے-----جہاں یادوں کے دیپ نہیں جل سکتے-----

INPAGE\MASOOD.INP

قبلۂ محبت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

انسان جس سے محبت کرتا ہے' دل اسی کی طرف کھنچتا ہے' ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دارم دلکے قبلہ نما می خوانمش
رو سوئے او می کند ہر چند کہ می گردانمش

"میرا ایک چھوٹا سا دل ہے' جس کو میں "قبلہ نما" کہتا ہوں' میں کتنا ہی اس کو گھماؤں پھراؤں مگر وہ تو رخ اسی کی طرف کرتا ہے"-----

حضور انور ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا یہی حال ہے اور یہ حال کیوں نہ ہو' اللہ اور اس کے فرشتے بھی آپ کی طرف متوجہ ہیں' رحمتیں بھیج رہے ہیں' ہم کو بھی یہی حکم ہے کہ آپ کی طرف متوجہ رہیں' صفت و ثناء کریں اور درود و سلام بھیجیں' محبت کا حق ادا کریں-----

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا----(۱)

ہاں در کریم ﷺ پر حاضر ہونے والے ہزار آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پہنچتے

ہیں---- کچھ اسی آرزو میں تڑپ رہے ہیں---- بہت سے اسی آرزو میں مر گئے---- نہیں نہیں زندہ ہو گئے ؎

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

مگر جو پہنچ گئے' ان کی بے قراریاں اور آہ وزاریاں شنیدنی ودیدنی ہیں---- دل سنبھالے ہوئے' آنسوؤں پر بند باندھے ہوئے' آرزوؤں پر پہرے بٹھائے ہوئے' باادب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں---- ع

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر!

مگر ہاتھ باندھنے نہیں دیتے---- دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں' ہاتھ اٹھانے نہیں دیتے---- قبلہ کی طرف رخ پھیر دیتے ہیں---- اللہ اللہ آنے والے کس لگن سے آتے ہیں' کس چاہت سے آتے ہیں---- حیران ہیں کہ در کریم ﷺ سے رخ کیوں پھیریں؟---- اللہ نے تو اسی طرف متوجہ کیا ہے' اللہ اور فرشتے خود بھی اس طرف متوجہ ہیں---- جو اس طرف متوجہ ہو گیا' وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا---- جو اس در سے پھر گیا' وہ اللہ سے بھی پھر گیا---- شاید راز محبت ان کو نہیں معلوم' جن کو معلوم ہونا چاہئے تھا---- بہترین بھلائی یہ ہے کہ بھائی کو اچھی باتیں بتادی جائیں---- قرآن کریم اور احادیث شریفہ اچھی باتوں سے معمور ہیں---- آیئے قرآن حکیم کھولیں' احادیث شریفہ دیکھیں---- خود بھی دیکھیں اور اپنے بھائیوں کو بھی دکھائیں---- شاید بات سمجھ میں آجائے---- شاید کوئی نکتہ دل میں بیٹھ جائے---- بے قراروں کی آرزوئیں پوری ہو جائیں---- آنسوؤں کی سوغات قبول ہو جائے----

☆☆☆☆☆

"قبلہ" کے معنی ہیں' وہ چیز جس کی طرف رخ کیا جائے---- چونکہ نماز میں بیت اللہ

شریف کی طرف رخ کرتے ہیں' اس لئے اس کو "قبلہ" کہا جانے لگا----- ہر قوم کا ایک "قبلہ" رہا ہے' جس کا قرآن حکیم میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے-----

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا-----(۲)

"اور ہر کسی واسطے ایک سمت ہے' (یعنی قبلہ) جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے"-----

کسی خاص سمت رخ کرنا بے مقصد نہیں' جہاں اور مقاصد ہیں' وہاں ایک یہ بھی مقصد ہے کہ ملت اسلامیہ میں وحدت اور یک جہتی قائم رہے اور پوری قوم متحد الجہت نظر آئے----- اسی لئے جب فرعون نے بنی اسرائیل کی زندگی اجیرن کر دی اور مسجدوں میں نماز پڑھنا ممکن نہ رہا تو ان کو قبلہ رخ نماز پڑھنے کا حکم ہوا-----(۳) اس سے معلوم ہوا کہ سمت کے تعین میں نفسیاتی' قومی' مذہبی' جغرافیائی اور تاریخی اہمیت ہے----- سمت متعین کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ اللہ ادھر ہی ہے' دوسری طرف نہیں' ایسا خیال بھی کفر ہے----- قرآن کریم نے اس خیال کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا----- وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ-----(۴) "اور مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے' جس طرف منہ کرو' اسی طرف ہی وجہ اللہ ہے"----- پھر انسان کو یہ بھی خیال آسکتا ہے کہ شاید کسی خاص طرف منہ کرنے اور رخ پھیرنے میں کوئی نیکی ہو!----- قرآن حکیم نے اس خیال کی بھی تردید فرمائی ہے اور فرمایا-----

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ-----(۵)

"مشرق اور مغرب کی طرف تمہارا منہ کر لینا نیکی نہیں"-----

نیکی کا تعلق ایمان اور قلب کی خاص کیفیت سے ہے' ظاہر سے نہیں' اس لئے اگر کوئی صحرا میں سمت قبلہ معلوم نہ کر سکے تو جس سمت کو اس کا دل قبلہ بتائے نماز پڑھ لے' نماز ہو جائے گی کیوں کہ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے-----

☆☆☆☆☆

بیت اللہ شریف دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ اور سب سے پہلا قبلہ ہے-----

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ-----(٦)

"بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر ہوا' وہ ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا اور سارے جہاں کا راہنما"-----

پھر رفتہ رفتہ دنیا والے گمراہ ہونے لگے' ان پر طوفان آیا' بیت اللہ اٹھا لیا گیا----- صدیوں بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی بنیادوں کو دوبارہ اٹھایا-----

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ-----(٧)

"اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں یہ کہتے ہوئے اٹھاتے تھے' اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما' بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا"-----

جب یہ دونوں بنیادیں اٹھا رہے تھے تو حضور انور ﷺ کی آمد آمد کی دعا مانگ رہے تھے-----

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ-----(٨)

"اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے' انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے' بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا"-----

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا اور بنیادیں اٹھاتے وقت حضور انور ﷺ کو یاد فرمانا اور آپ کے لئے دعا کرنا' سرور عالم ﷺ کے علم میں تھا' اسی لئے آپ فرماتے ہیں-----

"میں ابراہیم کی دعا ہوں"----(۹)

حضور انور ﷺ اولاد اسماعیل (علیہ السلام) سے تھے اور آپ کی نگاہ کرم بیت اللہ ہی پر تھی، جب ۶۱۰ء میں آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور نماز فرض ہوئی تو بیت اللہ شریف ہی مسلمانوں کا پہلا قبلہ قرار پایا----اعلان نبوت سے قبل بھی اہل مکہ کی عبادت گاہ بیت اللہ ہی تھا، گو اس کو بتوں اور مقدس ہستیوں کی تصاویر سے آلودہ کر دیا گیا تھا---- قبلہ قرار پانے کے بعد مسلمان اس سمت سجدہ کرتے تھے مگر دیکھنے والوں پر یہ راز نہ کھلا کہ سجدہ کرنے والے بیت اللہ کی سمت قدیم عادت کی بناء پر سجدہ کر رہے ہیں یا سرور عالم ﷺ کی اطاعت و پیروی میں سجدہ کر رہے ہیں؟ کیوں کہ قبلہ سے مقصود خود بیت اللہ نہیں بلکہ آپ کی اطاعت و پیروی ہے----

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ----(۱۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی"----

حضور انور ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں رہے، بیت اللہ ہی قبلہ رہا---- ۶۲۲ء میں جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو پہلے ہی سال بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس قبلہ قرار پایا، جو تقریباً سترہ (۱۷) ماہ تک رہا----اس تبدیلی سے دیکھنے والوں کو مہاجرین کی استقامت اور حضور انور ﷺ سے ان کے کمال الفت و محبت کا حال معلوم ہو گیا---- تیرہ برس جو قبلہ رہا، اس کو حضور انور ﷺ کی اطاعت و محبت کی خاطر آن کی آن میں بلا چون و چرا چھوڑ دیا گیا----سب کے رخ بیت اللہ سے بیت المقدس کی طرف پھر گئے---- مگر منافقین کا حال ظاہر ہو گیا---- جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تقریباً سترہ (۱۷) ماہ تک بیت المقدس قبلہ رہا، اہل مدینہ خوش تھے کیوں کہ ظہور اسلام سے قبل ان کا قبلہ "بیت المقدس" ہی تھا---- لیکن انصار مدینہ (جو یہودیت اور نصرانیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے) کے دل کا حال نہیں کھلا تھا کہ وہ بیت المقدس کی طرف سجدہ اس لئے کر

رہے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا رخ اس طرف ہے یا سابقہ عادت کی وجہ سے سجدہ کر رہے ہیں----- حضور اکرم ﷺ کی توجہ گرامی بیت اللہ کی طرف تھی----- ۲ ھ / ۶۲۳ء میں ایک روز نماز ہی میں یہ آرزو دل میں لئے بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھاتے کہ کاش بیت اللہ قبلہ ہو جائے----- دلوں کا حال جاننے والے نے آن کی آن میں محبوب کریم ﷺ کی تمنا پوری کر دی-----اچانک وحی نازل ہوئی-----

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ...... الآیہ-----(۱۱)

"بے شک ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور تم کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری خوشی ہے' ابھی مسجد حرام کی طرف اپنا منہ پھیر لو اور (اے مسلمانو!) تم جہاں ہو' اسی طرف منہ پھیرا کرو"-----

اے زہے شان عبدیت تری!
تو جدھر ہے' ادھر خدائی ہے

تحویل قبلہ نے ایک طرف حضور انور ﷺ کی محبوبیت کو عالم آشکار کیا تو دوسری طرف دلوں کے راز کھول دیئے----- مومن و منافق الگ الگ ہو گئے-----انسان کی فطرت ہے کہ صدیوں کی عادت آن واحد میں نہیں چھٹتی----- دلوں میں چور چھپے رہتے ہیں-----اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی کھرا اور کھوٹا الگ کر دیا-----

تحویل قبلہ نے یہود و نصاریٰ اور ان منافقین کو مضطرب کر دیا' جو حضور انور ﷺ کی محبت و اطاعت میں نہیں بلکہ عادتاً بیت المقدس کی طرف سجدہ کر رہے تھے-----ان کے دل میں چور ظاہر ہو گئے اور اعتراضات ہونے لگے-----

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ...... الآیہ-----(۱۲)

"بے وقوف کہیں گے' مسلمان جس قبلہ پر تھے کس بات نے ان کو اس قبلے سے پھیر دیا؟ تم کہہ دو مشرق و مغرب تو اللہ ہی کا ہے"-----

یعنی جب ہر سمت اسی کی ہے تو ایک سمت کو چھوڑ کر دوسری سمت منہ کرنے پر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے----- پھر دوسری جگہ فرمایا-----

"بات قبلہ کی نہیں' بات تو ضد ہٹ کی ہے حالانکہ آپ کو اس طرح جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو"-----(۱۳)

توریت میں آپ کی ایک نشانی یہ بتائی گئی تھی کہ آپ دو قبلوں کی طرف یکے بعد دیگرے رخ کر کے نماز پڑھیں گے----- گویا قبلہ کا بدلا جانا آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی' جو ظاہر ہوئی مگر ضد کا عالم یہ ہے----- "اگر آپ اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں لے آئیں تو وہ آپ کے قبلے کو نہ مانیں"-----(۱۴)

تحویل قبلہ کی پہلی حکمت تو معلوم ہو گئی مگر دوسری حکمت جس کی پہلی حکمت فرع ہے' نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے-----

انسان کو یہ گوارا نہیں کہ جو چیز اس کی قومیت' مذہب بلکہ اس کے وجود کی بنیاد' علامت اور نشانی ہو اس سے اس کو جدا کر کے اس کی بنیادیں ہلا دی جائیں----- سارے عالم میں فساد اسی جذبہ قومیت کی وجہ سے ہے----- اپنے قومی آثار میں سے ادنیٰ چیز بھی کوئی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں----- مگر جب کسی سے محبت کی جاتی ہے تو ساری بنیادیں ہل جاتی ہیں----- اگر کسی محبت کرنے والے نے محبوب کی خاطر اپنی محبوب چیزوں کو نہ چھوڑا اس نے محبت کرنی نہ جانی اور محبوب کی قدر نہ پہچانی----- اللہ تعالیٰ قبلہ کو تبدیل کر کے عاشقوں کے دل کی اس کیفیت کو دکھانا چاہتا ہے----- کس نے محبوب کریم ﷺ کی خاطر برسوں کے قبلہ کو چھوڑ کر اس کو قبلہ بنایا' جس کو محبوب نے قبلہ بنایا----- کس کی نظر محبوب پر رہی؟----- کس کی نظر قبلہ پر رہی؟----- کامیاب ہوا' جس کی نظر محبوب

پر رہی ٗ نامراد ہوا جس کی نظر قبلہ پر رہی ---- سنئے سنئے ٗ راز محبت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے ----

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ......الآیہ ---- (۱۵)

"جس قبلہ پر آپ تھے ٗ وہ ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ یہ دیکھیں کون آپ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے ؟" ----

یعنی کون آپ کی اطاعت میں بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتا ہے اور کون آپ کو چھوڑ کر بیت اللہ کی طرف سجدہ کرتا ہے ---- مدینہ منورہ سے بیت المقدس شمال کی طرف ہے اور بیت اللہ جنوب کی طرف ---- شمال سے الٹے پاؤں پھرنے والا جنوب ہی کی طرف جائے گا یعنی بیت المقدس سے منہ پھیرنے والا اور آپ کی اطاعت نہ کرنے والا بیت اللہ ہی طرف جائے گا ---- مگر اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نظر نہ رکھی جائے اور صرف و صرف قبلہ کی طرف نظر رکھی جائے ---- اصل مقصود تو حضور انور ﷺ کی اطاعت و پیروی ہے ---- بیت اللہ اس لئے قبلہ ٹھہرا کہ وہ آپ کا منظور نظر تھا ----

ہم اس فکر میں ہیں کہ جب سرکار دوعالم ﷺ سامنے ہوں تو رخ آپ کی طرف کریں یا قبلہ کی طرف ---- دعا کے لئے ہاتھ آپ کی طرف اٹھائیں یا قبلہ کی طرف ؟ ----

مگر جب مذکورہ آیت کریمہ اور مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث پاک سامنے آتی ہے تو سارے وسوسے اور اندیشے کافور ہو جاتے ہیں ----

عَنِ ابْنِ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهٖ اَبِیْ خُزَیْمَةَ اَنَّهٗ یَرٰی فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰی جَبْهَةِ النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ فَاضْطَجَعَ لَهٗ وَ قَالَ صَدِّقْ رُؤْیَاكَ فَسَجَدَ عَلٰی جَبْهَتِهٖ ---- (۱۶)

"ابن خزیمہ بن ثابت سے روایت ہے کہ ان کے چچا حضرت ابو خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مبارک پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں-----
حضور ﷺ سے یہ خواب عرض کیا---- آپ لیٹ گئے اور فرمایا----"اپنا خواب سچا
کرلو"----چنانچہ انہوں نے آپ کی مبارک پیشانی پر سجدہ کیا"-----

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نقش پا سجدہ گاہ بن سکتا ہے(۱۷) تو حضور ﷺ کی
مبارک پیشانی سجدہ گاہ کیوں نہیں بن سکتی؟----- حضرت ابو خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے تاجدار دوعالم حضور انور ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کیا---- سبحان اللہ!----- حضور
انور ﷺ قبلہ محبت ہیں-----اللہ نے آپ کو قبلہ بنایا----سنیئے سنیئے قرآن کیا کہہ رہا
ہے-----

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ
نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ
اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ-----(۱۸)

"آپ کہہ دیجیے اگر تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے عزیز رشتہ دار،
تمہاری جمع پونجی، تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تم کو کھٹکا لگا رہتا ہے، تمہارے من بھاتے
مکانات (یہ سب) تم کو اللہ در سول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو اللہ
کے حکم کا انتظار کرو، بے شک اللہ تعالیٰ سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا"-----

آیت کریمہ میں اس کو سرکش کہا گیا ہے، جو آپ سے منہ پھیرتا ہے کیوں کہ منہ پھیرنا
محبت وادب کے منافی ہے اور آیت میں حضور انور ﷺ سے کمال محبت وادب کا مطالبہ کیا گیا
ہے----- تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکم دینے
والا وہ لاشریک لہٗ تھا-----

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ......الآیہ-----(۱۹)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان' اس نے نہ مانا"-----

شیطان نے پیٹھ پھیر لی اور مردود ازلی ٹھہرا---- قرآن کریم میں اس واقعہ کا بار بار ذکر کیا گیا ہے---- سورۂ اعراف میں آیت نمبر ۱۱' سورۂ اسراء میں آیت نمبر ۶۱' سورۂ کہف میں آیت نمبر ۵۰' سورۂ طٰہٰ میں آیت نمبر ۱۱۵ اور سورۂ حجر میں آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا کہ کوئی فرشتہ نہ بچا سب ہی نے سجدہ کیا-----

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ☆ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ----- (۲۰)

"تو جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدہ میں گرے"-----

حضرت آدم علیہ السلام امین نور مصطفیٰ (ﷺ) تھے----- اللہ تعالیٰ نے تعظیم و تکریم کے لئے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور سب ہی نے سجدہ کیا---- غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن قیم نے حضور انور ﷺ کے دربار میں حاضری کے وقت زائرین کو مواجہہ شریف میں تذلل و انکساری اور سر جھکانے کی ہدایت کی ہے---- کیا خوب کہا ہے ؎

فَیَقُوْمُ دُوْنَ الْقَبْرِ وَقْفَةَ خَاضِعٍ
مُتَذَلِّلٍ فِی السِّرِّ وَ الْاِعْلَانِ

"پھر قبر انور کے سامنے اس طرح ادب سے کھڑے ہوں کہ ظاہر و باطن میں مکمل خشوع و خضوع اور تذلل و انکساری ہو"-----

فَكَاَنَّهٗ فِی الْقَبْرِ حَیٌّ نَاطِقٌ
وَ الْوَاقِفُوْنَ نَوَاكِسُ الْاَذْقَانِ

"آپ قبر انور میں زندہ ہیں اور کلام فرماتے ہیں' آپ کی خدمت میں حاضری دینے والے

سر جھکائیں"-----(۲۱)

مسلمان مانگنے کے لئے تو ہر کسی کے آگے ہاتھ پھیلا دیتا ہے مگر جھکتا اللہ ہی کے سامنے ہے لیکن حافظ ابن قیم کہہ رہے ہیں کہ دربار رسالت ﷺ میں آنے والے بھی سر جھکائیں کہ جس نے ان کے آگے سر جھکایا' حقیقت میں اس نے اللہ ہی کے آگے سر جھکایا----- حضرت آدم علیہ السلام کے آگے فرشتوں کا سر جھکانا' اللہ کے حضور سر جھکانا تھا کہ اللہ کے حکم سے سر جھکایا گیا----- ابلیس یہ راز محبت نہ سمجھ سکا اور ہمیشہ کے لئے مردود ہوا----- اس نے اللہ کے آگے سر جھکانے سے انکار نہ کیا تھا' اس نے اللہ کے محبوب کی تعظیم و تکریم سے انکار کیا تھا----- اس نکتے کو ذہن میں رکھنا چاہیے----- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس عظیم الشان واقعہ کا ذکر صرف بطور حکایت نہیں فرمایا بلکہ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق دینا ہے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو پھر اللہ کے محبوب کے آگے جھکنا ہے' کسی حالت میں ان سے رخ نہیں پھیرنا----- بیت اللہ کو مسلمانوں کا مرکز توجہ بنایا گیا مگر سرکار دوعالم ﷺ کو اپنا منظور نظر بنایا اور اپنے فرشتوں اور ایمان والوں کا مرکز نگاہ بنایا-----

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا-----(۲۲)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر' اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"-----

ظاہر ہے کہ وہ مرکز توجہ زیادہ افضل ہے جو نہ صرف ایمان والوں کا بلکہ اللہ اور اس کے فرشتوں کا بھی مرکز توجہ ہے----- ہم نماز میں بیت اللہ کی سمت اس لئے رخ کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے اس سمت رخ مبارک کیا تھا----- حضور اکرم ﷺ کی سنت ہی یہ ہے کہ جب ہم بیت اللہ کی طرف منہ کرتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں----- اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی اس کے محبوب سے منہ پھیر کر کھڑا ہو

جائے-----اس نے تو محبت کی شرط یہ لگائی ہے کہ رخ محبوب کی طرف ہو-----

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ-----(۲۳)

"تم کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' میرے رخ پر چلو"-----

کیوں کہ اللہ کی طرف رخ کرنا تو میں نے ہی سکھایا ہے-----میں نے توحید کا راز تم کو بتایا ہے-----مجھ کو چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گے؟-----حضرت یوسف علیہ السلام کی کٹھن گھڑی میں حضور انور ﷺ ان کے پاس دار بنے-----

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ-----(۲۴)

رب کی برہان کون ہیں؟ آپ ﷺ ہی تو رب کی برہان ہیں-----

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ-----(۲۵)

"اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی"-----

حضرت یوسف علیہ السلام جو عکس جمال مصطفیٰ (ﷺ) تھے' ان کو والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا-----

وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا-----(۲۶)

"اور اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب ان کے آگے سجدے میں گر پڑے"-----

غور فرمائیں عکس آفتاب کو سجدہ کیا جائے اور آفتاب نبوت کے آگے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بھی جرم ٹھہرے-----حضور کی شان تو یہ ہے کہ نماز میں بھی یاد فرمائیں تو حاضر ہونا ہی ہونا ہے' ذرا تاخیر نہیں کرنی-----ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے' سرکار دو عالم ﷺ نے آواز دی' نہ آئے-----پھر آواز دی' نہ آئے----- تھوڑی دیر بعد حاضر ہوئے-----ارشاد ہوا' دیر کیوں ہوئی؟-----عرض کی' نماز پڑھ رہا تھا-----

فرمایا----کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟-----

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ.....الآیہ-----(۲۷)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم بجالاؤ' جس وقت وہ تم کو اس کام کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے"----

سبحان اللہ! حکم یہ ہے کہ اگر سرکار بلائیں تو نمازی قبلہ سے منہ پھیر کر اس قبلہ محبت کے حضور حاضر ہو----کام حضور ﷺ کا ہو رہا ہے' ارشاد کی تکمیل ہو رہی ہے اور نماز پڑھنے والا نماز میں ہے----جب کام کر چکے تو نماز وہیں سے شروع کرے جہاں سے چھوڑی تھی----آپ نے مقام محبوبیت ملاحظہ فرمایا!-----

ایک اور واقعہ قابل توجہ ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمایا ہے----حضور انور ﷺ کے ایام علالت میں ایک روز صحابہ کرام مسجد نبوی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک حضور انور ﷺ نے کاشانہ اقدس کا پردہ اٹھایا اور صحابہ کرام کو دیکھ کر مسکرا دیئے-----

خوشی کے مارے صحابہ کرام کی نظریں نماز ہی میں حضور انور ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف لگ گئیں' قریب تھا کہ سب نماز توڑ دیتے مگر حضور انور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ نماز مکمل کر لو-----

پھر آپ کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور پردہ ڈال دیا-----

یہ حدیث بخاری شریف میں موجود ہے' راوی نماز میں شریک تھے' روایت کے الفاظ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ چشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں اور بیان فرما رہے ہیں' آپ بھی اس روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

1 قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوْفٌ فِى الصَّلٰوةِ

2 ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ

3 فَنَكَصَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ

4 وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَفْتَتِنُوْا فِىْ صَلٰوتِهِمْ

5 فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ بِيَدِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

6 ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَاَرْخَى السِّتْرَ----(۲۸)

یہ ساری باتیں جب ہی بیان کی جا سکتی ہیں جب راوی دیکھ رہا ہو اور حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ' دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ نماز میں شامل تھے----کاشانہ اقدس قبلہ سے بائیں جانب تھا' صحابہ کرام نے نماز ہی میں بائیں جانب رخ پھیر کر سرور عالم ﷺ کی زیارت کی مگر کسی کی نماز نہ ٹوٹی' حضور انور ﷺ کا اشارہ پا کر نماز مکمل کی گئی---- قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ جب آپ کی طرف رخ پھیرنے سے نماز میں خلل واقع نہ ہوا تو دعا میں آپ کی طرف رخ پھیرنے سے کیسے خلل واقع ہو سکتا ہے ؟ جب کہ دعا کرتے وقت قبلہ رو ہونا بھی ضروری نہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ خطبہ جمعہ میں قبلہ کی مخالف سمت بارش کی دعا نہ فرماتے----(۲۹)

یہ باتیں نورانی عقل سے سمجھنے کی ہیں جو محبت رسول ﷺ سے پیدا ہوتی ہے----سرور عالم ﷺ اپنے پیاروں سے فرما رہے ہیں :

مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِىْ فَقَدْ جَفَانِىْ----(۳۰)

"جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی' اس نے مجھ پر ظلم کیا"----اللہ اکبر! کس پیار سے محبت والوں کو بلا رہے ہیں!----محبت و ادب کا تقاضا یہی ہے جو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو' دست بستہ ہو یا دعا مانگ رہا ہو' رخ آپ ہی کی طرف ہو----آپ نے بلایا ہے' آپ کے در پر آئے ہیں----آپ سے منہ پھیر کر کہاں جائیں گے ؟----مذاہب اربعہ کے اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زائر جب روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہو تو سلام اور دعا کے وقت اپنا رخ

آپ ﷺ ہی کی طرف رکھے۔ امام تقی الدین سبکی نے ان مالکی، حنفی، شافعی، اور حنفی علماء کے مفصل اقوال نقل کئے ہیں جو دعا کے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں (۳۱)----سلف صالحین کا صدیوں یہی عمل رہا اور اب بھی جنت البقیع شریف اور شہدائے احد کے مزارات پر دعا کرنے والے اسی طرف ہاتھ اٹھاکر دعا کرتے ہیں، کوئی روکنے والا نہیں روکتا----جب وہاں کوئی روک ٹوک نہیں تو اس دربار میں بدرجہ اولیٰ یہ روک ٹوک نہ ہونی چاہیے----ہاں یہ ضروری ہے کہ جالی شریف سے چار ہاتھ دور رہے، جالی شریف کو ہاتھ نہ لگائے، یہ سیاہ کار ہاتھ اس لائق نہیں، یہ کیا کم ہے کہ سیاہ کاروں اور گناہ گاروں کو اپنے حضور بلا کر سر فراز فرمایا!----مگر ہاں ان کے پیاروں کی بات اور ہے----حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو ملک شام میں زیارت ہوئی----فرمارہے ہیں:

مَاهٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَابِلَالُ !اَمَا آنَ لَكَ تَزُوْرَنِیْ يَابِلَال !----(۳۲)

"اے بلال یہ کیسی جفا ہے! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری قبر کی زیارت کے لئے آؤ"؟----خواب دیکھنا تھا، زیارت قبر انور کے لئے چل پڑے----شائد زیارت روضہ رسول ﷺ کے لئے یہ پہلا سفر تھا جو ایک صحابی نے کیا----فَرَكِبَ رَاحِلَتَهٗ وَقَصَدَ الْمَدِيْنَةَ (۳۳)----"مدینہ منورہ کے ارادے سے اپنی سواری پر سوار ہوئے"----اور جب مدینہ منورہ پہنچے----

فَاَتٰى قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ فَجَعَلَ يَبْكِیْ عِنْدَهٗ وَ يُمَرِّغُ وَجْهَهٗ عَلَيْهِ----(۳۴)

"تو قبر انور پر حاضر ہوئے، رو رہے تھے، آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی اور اپنا چہرہ قبر انور پر مل رہے تھے"----حدیث پاک میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی حاضری کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بڑا ہی دل گداز ہے----دل تڑپ جاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ہاں----ہاں جس کے دل پر گزرتی ہے وہی خوب جانتا ہے۔

عاشق نہ شدی و محنت الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامہ ہجراں چہ کشاید؟

(جاری ہے)

حواشی

(۱)......احزاب :۵۶
(۲)......البقرۃ:۱۴۸
(۳)......یونس :۸۷
(۴)......البقرۃ:۱۱۵
(۵)......البقرۃ:۱۷۷
(۶)......آل عمران :۹۶
(۷)......البقرۃ:۱۲۷
(۸)......البقرۃ:۱۲۹
(۹)......البدایہ والنہایہ' جلد ۲'صفحہ ۲۷۵
(۱۰)......النساء :۸۰
(۱۱)......البقرۃ:۱۴۴
(۱۲)......البقرۃ:۴۲
(۱۳)......البقرۃ:۱۴۳
(۱۴)......البقرۃ:۱۴۵
(۱۵)......البقرۃ:۱۴۳
(۱۶)......مشکوٰۃ شریف' جلد ۲'صفحہ ۳۸۷
(۱۷)......البقرۃ:۱۲۵
(۱۸)......التوبہ :۲۴
(۱۹)......البقرۃ:۳۴
(۲۰)......الحجر :۲۹-۳۰
(۲۱)......شفاء الفواد'صفحہ ۱۸۳
(۲۲)......الاحزاب :۵۶
(۲۳)......آل عمران :۳۱
(۲۴)......یوسف :۲۴
(۲۵)......النساء :۱۷۴
(۲۶)......یوسف :۱۰۰
(۲۷)......الانفال :۲۴
(۲۸)......صحیح بخاری' جلد ۲'صفحہ ۷۲۶
(۲۹)......ایضاً' جلد ۳'صفحہ ۴۹۹
(۳۰)......شفاء السقام فی زیارت خیر الانام' صفحہ ۳۸
(۳۱)......شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' صفحہ ۱۶۳
(۳۲)......شفاء السقام حوالہ ابن عساکر' صفحہ ۵۶
(۳۳)......شفاء السقام حوالہ ابن عساکر' صفحہ ۵۶
(۳۴)......شفاء السقام حوالہ ابن عساکر' صفحہ ۵۶